اے۔ بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم - ۴ | فون نمبر رہائش - ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۱۷ — شعبان ۱۴۰۲ھ

شمارہ نمبر : ۸ — جون ۱۹۸۲ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

ہمارے قومی و ملی مسائل

ـــــ وفاقی مجلس شوریٰ میں بحث پر تبصرہ	سمیع الحق	۲
مروجہ قانون شہادت یا اسلامی قانون شہادت	ڈاکٹر جسٹس تنزیل الرحمن چیئرمین نظریاتی کونسل	۱۹
انسان کامل اور حضورؐ کی بے نظیر کامیابی	مولانا محمد اسحاق سندیلوی۔ کراچی	۲۸
اسلام اور مستشرقین پر دارالمصنفین کا سیمینار	جناب ڈاکٹر احمد خان صاحب	۳۳
امام ابوحنیفہ، آپ کے تلامذہ اور علم حدیث	مولانا عبدالقیوم حقانی	۴۳
قرآن کریم ـــ صحیفہ نفرت یا پیام آشتی	حافظ محمد ابراہیم فانی فاضل حقانیہ	۵۱
تبصرہ کتب	ادارہ	۵۹

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ -/۲۵ روپے۔ فی پرچہ ۲/۵۰ روپے

بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ۔ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے چند قابل توجہ

قومی و ملّی مسائل

نظام عشر
اسلامی معیشت
اسلامی نظام کے نفاذ کا معاملہ
نظام تعلیم
مسئلہ افغانستان
فرقہ واریت اور قادیانیت

۲۳ جون ۱۹۸۲ء بروز بدھ وفاقی مجلس شوریٰ کے بجٹ سیشن میں مولانا سمیع الحق صاحب نے بجٹ پر کی گئی تقریر میں اہم قومی و ملّی مسائل پر حکومت کو توجہ دلائی۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی یہ تقریر من وعن ٹیپ ریکارڈ اور وفاقی کونسل کی مدد سے پیش ہے۔ "ادارہ"

نحمدہ ونصلی الی رسولہ الکریم۔ جناب چیرمین صاحب! میں آپ کا ممنون ہوں کہ مجھے موقعہ دیا۔ تقریباً نو دن سے میں منتظر تھا کہ وقت ملے اور اب تو وہ صورت ہے کہ ؏ چوں دور خسرو آمد مے و سبو ماندہ۔ جو اہم باتیں ہیں جو کہنے تھے مجھ سے پیشتر فاضل ارکان کہہ چکے ہیں۔ پھر اتنے دن بعد نہ وہ جوش و خروش قائم رہتا ہے۔ نہ وہ جذبہ کہ تکرار سی لگتی ہے۔ بہرحال میں چند ضروری معروضات پیش کروں گا۔ چونکہ اعداد و شمار اور حساب کتاب شخص کا موضوع ہوتا ہے۔ تو میں ان تفصیلات میں بھی نہیں پڑتا۔ مگر اسلامی نقطہ نظر سے بجٹ کے متعلق مختصراً کچھ خیالات پیش کروں گا۔

۱۔ نظام عشر کا نفاذ اس سمت میں ایک نئی چیز ہے۔ جو ہمارے سامنے آئی، جو اس لحاظ سے ایک مستحسن اقدام ہے۔ کہ کچھ تو بات آگے بڑھ رہی ہے۔ اسلام میں ایک شعبہ نظام معاشیات کا ہے۔ اور نظام مالیات کو اسلامی خطوط پر استوار کرنا بھی ایک اسلامی مملکت کا بنیادی فریضہ ہے۔ مگر اس طرح نظام عبادات بھی ہے۔ تو ہمیں خوشی ہے کہ الحمدللہ نظام مالیات کو تو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے اقدامات ہو رہے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ نظام عبادات کو بھی قائم کرنا اسے پھیلانا وہ بھی حکومت کا فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واٰتوا الزکوٰۃ سے پہلے اقیموا الصلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ تو زکوٰۃ اور صلوٰۃ دونوں کا قیام بھی حکومت کا بنیادی فریضہ ہے۔ اس ضمن میں بعض لوگوں کی رائے یہ ہوتی ہے۔ کہ عبادات ایک نجی معاملہ ہے۔ حالانکہ عبادات کا قیام بھی حکومت کا اوّلین فریضہ ہے۔ ارشاد باری ہے :

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ ۔ وآتوا الزکوٰۃ ۔ وہاں بھی اللہ نے حکومت کی ذمہ داری قرار دی۔ صلوٰۃ سے مراد سارا نظام عبادات ہے کہ وہ بھی اسی طرح لازمی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں کچھ لوگوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ ۔ کہ جو صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے۔ میں ضرور اس کے ساتھ جہاد کروں گا۔ وہ صلوٰۃ کو تو مانتا ہے اور زکوٰۃ کا نظام نہیں قبول کرتا۔ اب اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو نظام مالیات کو تو اہمیت دیتے ہیں (اور الحمد للہ خوشی کی بات ہے) اور نظام عبادات کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں اور اسے عوام کی مرضی پر چھوڑتے ہیں۔ وہ بھی حضرت ابوبکرؓ کے قول کی بناء پر اسلام کے احکام کے نفاذ میں اس طرح تفریق کر رہے ہیں۔

عشر اور چند تجاویز | بہرحال نظام عشر کی طرف یہ پیش قدمی ایک قابل تعریف اقدام ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں کچھ واضح اقدامات اور مسودات ہمارے سامنے نہیں آئے بجٹ میں اجمالی ذکر ہے تو شاید وزیر خزانہ عشر کے بارہ میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو ملحوظ رکھ کر ان قوانین کو آخری شکل دیں گے۔ اس وقت بجٹ میں ہمارے سامنے ۵ ٪ عشر کا مسئلہ آیا ہے۔ جبکہ عشر کے بارہ میں تفصیل ہے۔ کہ کچھ بارانی زمین ہوتی ہے۔ اور کچھ وہ زرعی جو ٹیوب ویلوں نہروں وغیرہ کے نظام آبپاشی سے سیراب ہوتی ہے۔ تو قدرتی وسائل بارش وغیرہ سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار میں عشر ہے یعنی دس فیصد اور آبپاشی نہروں والی زمینوں میں ۵ فیصد یعنی نصف العشر اور یہاں صرف نصف العشر کو نافذ کیا گیا۔ اب اگر یہ خیال ہے کہ آدھا عشر ہم نے زمین کے مالک کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ وہ از خود جسے چاہے ادا کر دے تو یہ ایک اچھی بات ہے۔ اور احادیث میں اسکی گنجائش ہے کہ مالک اپنی مرضی سے دیدے لیکن اس حساب سے تو بارانی زمین والا عشر ۵ ٪ بن جاتا ہے لیکن آبپاشی کے نظام کے تحت جو زمینیں سیراب ہوتی ہیں اور ان پر اخراجات آتے ہیں تو ان پر بھی ہم نے نصف العشر ۵ فیصد لگا دیا تو یہ تو ہم نے گویا سارا عشر ان سے لے لیا۔ پھر انہیں از خود ادا کر سکنے کی رعایت نہ ملی گویا سو من میں بیس من (نصف العشر کل حق) پانچ من ہے، دس من نہیں اب اگر انہیں بھی آپ اختیار دیتے ہیں کہ آدھا وہ خود ادا کریں تو ان پر ڈھائی فیصد یعنی ڈھائی من لگنا چاہئے تھا۔ یہ اگر صرف بارش سے سیراب ہونے والی زمین کا حکم ہوتا پھر تو پانچ فیصد صحیح تھا کہ باقی پانچ فیصد وہ خود ادا کر دیتا۔ پھر بجٹ میں عشر سے پچیس فیصد اخراجات منہا کرنے والی بات بھی ہے تو بارانی پیداوار پر چونکہ اخراجات آبپاشی ٹیوب ویل وغیرہ کے نہیں ہوتے۔ تو پہلے سے اللہ تعالیٰ نے دس فیصد لگا دیا کہ بغیر زیادہ محنت اور اخراجات کے اسے گھر بیٹھے غلہ اور پیداوار حاصل ہوا پھر ایسی پیداوار سے ۲۵ ٪ منہا کرنا سمجھ میں نہیں آتا اور جو ٹیوب ویلوں نہروں وغیرہ سے سیراب ہو رہے ہیں۔ ان کو اخراجات کے عوض پہلے سے اللہ تعالیٰ نے ۵ ٪ کی چھوٹ دیدی ہے۔ بہرحال اس مسئلہ کو پورا واضح کر دینا چاہئے اور علماء و فقہاء

کی آراء و سفارشات کی روشنی میں آخری شکل دینی چاہیے کیونکہ ایک خالص دینی اور فقہی معاملہ ہے۔ اتنی گنجائش احادیث سے بھی نکل سکتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اذا خرصتم فخذوا۔ اگر تخمینہ لگاتے ہو تو لگالو۔ مگر آگے فرمایا فدعوا الثلث ⅓ حصہ چھوڑ دو۔ وان لم تدعوا الثلث فدعوا الربع۔ اگر ⅓ کو نہیں گھٹاتے ہو تو ¼ گھٹا دو۔ اس حدیث کے بارہ میں احناف اور امام ابوحنیفہ کی رائے تو یہ ہے کہ حضورؐ کے ارشاد کا تعلق ادائیگی عشر سے نہیں بلکہ حکومت اگر تخمینہ لگائے کہ اس کھیتی سے سو من غلّہ پیدا ہوگا۔ تو اس تخمینہ میں بھی گنجائش رکھے۔ کیونکہ فصل کے جانے کا، پھل کے ضائع ہو جانے کا، امکان ہے یعنی ۳۳ ٪ یا ۲۵ ٪ اس تخمینہ میں کم لگالو اور امام مالکؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق اخراجات سے ہے۔ کہ یا ⅓ فیصد یا ¼ فیصد اخراجات کے منہا کر دو۔ بہرحال اس معاملہ کو وزیر خزانہ صاحب ملحوظ رکھیں تو بہتر ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اکثر ائمہ کے ہاں عشر دینے والے کو اختیار ہے کہ وہ عشر قیمت کی شکل میں دے یا جنس کی ادائیگی کرے۔ اگر سو من میں دس من غلّہ دینا چاہے تب بھی جائز ہے اور اگر دس من کی قیمت ادا کرے تب بھی اس کو اختیار ہے۔ تو یہاں بھی یہ صورتحال وضاحت طلب ہے اگر اختیار ہے تو بہتر ورنہ اختیار ہونا چاہیے۔ نقدی کا پابند کرانا مناسب نہیں کہ اکثر زمینداروں نے فصل فروخت نہ کی ہو تو ان کے لئے نقد ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے اس وجہ سے شریعت نے اختیار دیا کہ وہ نقدی دے یا جنس دے۔

تیسری بات یہ ہے کہ عشر سے حاصل کردہ آمدنی اگر حکومت کسی ایک علاقہ سے حاصل کرکے دوسرے علاقے میں خرچ کرنا چاہے تو اس کا بھی جواز ہے۔ مگر افضل اور مستحب یہی ہے کہ جس علاقہ سے عشر حاصل کیا جائے اُسے اوّلاً اُسی علاقہ کے مستحقین اور فقراء میں تقسیم کر دیا جائے تو حکومت اس بات کو بھی ملحوظ رکھے کہ حکومت جن علاقوں سے عشر لیتی ہے اُسے پہلے اُسی علاقہ کے مصارف عشر میں خرچ کر دے اس طرح اجناس کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے اور نقل و حمل کی دشواریاں بھی نہیں پیدا ہوں گی اور فالتو اخراجات بھی نہیں آئیں گے۔ ہاں جہاں ضرورت زیادہ ہے وہاں اختیار ہے حکومت کو کہ وہ اہم ضرورت کے مقامات کو منتقل کر دے مگر بہتر یہی صورت ہے۔

نفاذ عشر میں شیعہ سنّی تفریق | چوتھی ایک بات جو عشر کے سلسلہ میں بڑی اہم ہے۔ یہ ہے کہ یہاں سے بہت سے ہمارے شیعہ دوست موجود ہیں ان میں سے بعض کی مجھ سے بات بھی ہوئی ہے۔ اور ان کی بھی یہی رائے ہے جو معتدل مزاج ہیں۔ ہاں سیاسی طالع آزما تو ہر جگہ ہوتے ہیں ہم میں بھی ہیں اور لوگوں میں بھی ہیں۔ جو احکام شریعت کو اپنی سیاست کی طرف کھینچتے ہیں اور شریعت کو بھی سیاست کے تابع کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہاں کے معتدل اور سنجیدہ قسم کے افراد سادات گھرانے اور اہل شیعہ میں سے بعض نے خود مجھے کہا کہ ہم

اس نظام پہ تو خوش نہیں ہیں کہ جو بھی اسلام کیطرف پیش رفت ہو، کوئی اقدام ہو تو ہم اس سے الگ رہ جائیں تو یہاں عشر کے بارہ میں بھی فارم ڈیکلیئر کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ مگر شیعہ حضرات کے ہاں بھی ایک نظام مالیات ہے۔ نظام عشر ہے اور نظام زکوٰۃ ہے۔ اب حکومت اگر اس سمت میں پیش قدمی کرتی ہے۔ تو یہ تو مناسب نہیں ہے۔ کہ معاشرہ کا کچھ حصہ ایسے ہر معاملہ میں پیچھے رہ جاتے ہمارے ہاں عشر ہے، تو ان حضرات کے ہاں نظام زکوٰۃ ہے۔ جو عموماً زرعی پیداوار پہ لگتا ہے گویا عشر کا نام زکوٰۃ رکھ دیا گیا ہے۔ اصطلاحات کا فرق ہے۔ اسی طرح ان حضرات کے ہاں خمس کا نظام ہے۔ کہ جو بھی آمدنی ہو نقدی یا جنس کے ذریعہ یا بزنس کے ذریعہ جس نوعیت سے بھی آمدنی ہو جائے۔ ان کے ہاں اس میں خمس واجب ہے۔ پانچواں حصہ اس سے الگ کر دیا جائے گا۔ یعنی سو من میں سے وہ بیس من ادا کریں گے۔ ان کے ہاں اس کے مصارف بھی متعین ہیں۔ مثلاً آل رسول ہیں جو خمس کے اولین مستحق ہیں۔ پھر اس کے بعد فقراء و مستحقین ہیں۔

اب اگر ہم سنیوں پہ یہ احکام شریعت نافذ کرتے ہیں تو شیعہ حضرات چاہتے ہیں کہ اگر ہم پہ یہ فقہی احکام لاگو نہیں ہو سکتے تو ان کے اپنے جو احکام ہیں مالیات کے ادائیگی کے سلسلہ میں انہیں اس سے کیوں مستثنیٰ قرار دیا جائے۔؟

موجودہ صورت حال سے کئی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ ایک تو فکری یگانگت اور فرقہ وارانہ یکجہتی متاثر ہوتی ہے۔ دنیائے اسلام میں جہاں اسلامی قوانین بھی نافذ ہیں۔ بلکہ دنیا کے کسی ملک میں بھی قوانین کی اس طرح تفریق کی مثال نہیں مل سکتی۔ پرسنل لاء اور احوال شخصیہ کا معاملہ تو الگ ہے۔ مگر جہاں پبلک لاء اور احوال عامہ کا تعلق ہے۔ ان میں کسی طرح کی تفریق اور تقسیم اور استثنیات کی ایسی مثالیں نہیں ہیں جو یہاں قائم کی جا رہی ہیں۔ اگر یہ صورتحال قائم رکھی جاتی ہے۔ تو پھر ہم کم از کم یہ تو کر سکتے ہیں کہ ان کے احکام اور مسائل ان پہ نافذ کر دیں۔

دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ یہاں اہل سنت والجماعۃ جن کی الحمدللہ ملک میں اکثریت ہے مگر دینی حس کمزور ہوتی جا رہی ہے، ہر طبقہ میں ہوتے ہیں مسلمانوں میں بھی اور سنیوں میں بھی تو لوگ ذرا سے مالی مفاد کیلئے اس رعایت سے غلط فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مالی مفادات کے لئے دین اور ایمان بیچنا عام طور سے کوئی بات نہیں رہی۔ تو کئی ہمارے سنی حضرات ہوتے ہیں جو فارم ڈیکلیئر کر لیتے ہیں کہ میں شیعہ ہوں تاکہ عشر سے بچ جاؤں زکوٰۃ سے بچ جاؤں جیسے زکوٰۃ کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے۔ کہ کچھ لوگوں نے فارم بھر کر دیدیا کہ میں قادیانی ہوں۔ کچھ لوگوں نے رام چند قسم کے نام لکھوا دئے تو یہ کمزوریاں ہیں ہماری۔ تو اس گنجائش سے بھی بہت سے لوگوں کو موقعہ ملے گا کہ وہ جعلی فارم بھر کر اپنے آپ کو شیعہ لکھے گا تو اس بڑی خرابی کا انسداد اس طرح ہو سکتا ہے کہ اگر وہ شیعہ بھی بنتا ہے۔ تو پھر بھی بچتا نہیں جو اسلامی اور شرعی مالیات ہیں وہ اسے پھر بھی ادا کرنے پڑیں گے

اگر سنی رہتا ہے تو پھر بھی نہیں بچتا۔ تو اس تبدیلیٔ مذہب و مسلک کی نوبت نہ آئے گی۔ تو غلط فارم بھرنے کا راستہ بند کر دیا جائے۔ اور اگر بالفرض ایسا ہے بھی اور اسی حالت پہ یہ نظام قائم رہتا ہے۔ تو پھر واضح قوانین ہونے چاہئیں کہ اگر کسی نے جعلی طور پہ فارم بھر دیا اور ثابت ہوا کہ اس نے غلط بیانی سے کام لیا ہے، ہے تو سنی مگر عشر و زکوٰۃ سے بچنے کے لئے شیعہ لکھوایا ہے تو اس کے لئے سخت ترین سزائیں بھی ہونی چاہئیں ایسی تبدیلیٔ مذہب و مسلک کو الحاد و زندقہ کہتے ہیں کہ شیعہ کسی مصلحت سے اپنے آپ کو سنی کہے اور سنی کسی مصلحت سے اپنے آپ کو شیعہ کہے۔ عیسائی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے کسی مصلحت کی وجہ سے اور مسلمان اپنے آپ کو عیسائی کہے کسی مصلحت کی وجہ سے اس کو الحاد اور زندقہ کہتے ہیں۔ تو ہم الحاد اور زندقہ کا دروازہ اپنے ہاتھوں سے کیوں کھولتے ہیں۔

اب ایران میں بھی اسلامی حکومت ہے۔ جسے ہم لوگ اسلامی انقلاب سمجھتے ہیں اور اسکی تحسین کرتے ہیں مگر وہاں بھی کوئی ایسی مثال نہیں ہے۔ کہ پرسنل لاء کے علاوہ بھی زندگی کے تمام شعبوں میں الگ الگ قسم کے قوانین نافذ کئے گئے ہوں ہمارے سنی بھائی وہاں موجود ہیں مگر وہ ایرانی قوانین کو لبیک کہہ کر تسلیم کر لیتے ہیں۔

بہر حال یہاں ہمارے کئی دوستوں نے جو شیعہ ہیں۔ یہ نصرت علی شاہ صاحب وغیرہ ہیں۔ نے مجھے کہا کہ ہم خمس ادا کرنے کیلئے تیار ہیں۔ دیکھئے اگر ایسا نہ ہوا تو ساری دنیا میں آخر کہا جائے گا کہ ملک میں ایک طبقہ ایسا تھا کہ جو بھی اسلام کے سلسلے میں قدم اٹھاتا تھا تو وہ اس کے ساتھ نہیں چلتا تھا۔ نظام مالیات میں وہ زکوٰۃ سے کٹ گئے نظام عشر میں عشر سے کٹے۔ آگے اور بھی کئی ایسی صورتیں آئیں گی۔ تو یہ نہ خود ان کے حق میں بہتر ہوگا نہ ہمارے حق میں۔ تو جو انتہا پسندانہ اقدام ہو تو کچھ نہیں ہوگا۔ خود معتدل شیعہ حضرات علامہ رضی وغیرہ نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔ کچھ نہ کچھ ہنگامہ تو ہر معاملہ میں سیاسی طالع آزما کھڑا کر دیتے ہیں۔ جو ہمارے ہاں بھی ہیں اور شیعہ حضرات میں بھی ہیں۔ بہر حال عشر کا یہ نظام صحیح اور جامع شکل میں نافذ کر دیا جائے۔ تو اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہماری شامل حال ہوگی۔

اسلامی نظام اور سودی معیشت

دوسری گذارش جسکی طرف اور بھی کئی دوستوں نے توجہ دلائی ہے کہ اسلامی معیشت کا بنیادی دار و مدار جس پہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور برکات موقوف ہیں وہ سودی معیشت سے اپنے معاشی نظام کو بالکل پاک کرنا ہے۔ اب ہم نے اگر عشر نافذ کر بھی دیا ہے۔ اور عشر کے ساتھ زرعی قرضے بھی چل رہے ہوں۔ جو سود پہ دئے جائیں۔ زرعی ٹیکسوں کا سودی نظام بھی ہو جیسا کہ کہا جا رہا ہے۔ کہ ۹٪ سود لیتے ہیں اور ڈھائی فیصد زکوٰۃ دے دیتے ہیں۔ وہاں بھی یہ چیز موجود ہے۔ کہ زکوٰۃ اور سود خلط ملط ہے۔ تو یہاں بھی جب عشر کا نظام نافذ ہوتا ہے تو تمام زراعتی لین دین اور قرضے سود سے

مکمل پاک رکھے جائیں۔ لینڈ ریونیو کو ختم کرکے نیا اسلامی لینڈ ریونیو مرتب کرنا ہوگا۔ آبیانے کا مسئلہ لگان اور مالیے کا مسئلہ، اس سب پر از سر نو غور کرکے غیر شرعی اور سودی امور سے پاک کر دیا جائے۔ تاکہ عشر کے ساتھ سود کو نہ چلایا جائے جیسا کہ کتا کنویں میں پڑا ہو تو جب تک کتے کو کنویں سے نکالا نہ جائے اس وقت تک کنویں کا پانی پاک نہیں کرایا جا سکتا۔ تو جب تک یہ سودی لعنت ہماری معیشت میں موجود ہے۔ تو اس میں آپ ہزار اسلامی اقدامات کریں زکوٰۃ بھی لگائیں عشر بھی لگائیں بلکہ صدقات واجبہ کے ساتھ صدقات نافلہ بھی شامل کر دیں اسکو آپ اسلامی معیشت اور اسلامی نظام نہیں کہہ سکتے جیسا کہ کوئی کنواں اسوقت تک پاک نہیں کہلا سکتا۔ جب تک سؤر اور کتا اس میں پڑا ہوا ہو۔ اور سودی لعنت کتے اور سؤر سے بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین چیز ہے بے شمار چیزوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منع ہے زنا منع ہے، شراب منع ہے قتل نفس منع ہے۔ مگر یہ نہیں کہا کہ فاذنوا بحربٍ من اللّٰہ ورسولہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری طرف سے اعلان جنگ ہے، اس کے رسول کا اعلان جنگ ہے۔

—— تو جب کسی معاملہ میں اللہ کیطرف سے مدد شامل نہ ہو بلکہ اعلان جنگ ہو تو اس سے کیسے ترقی حاصل ہو سکتی ہے۔ آج اسرائیل ایک غنڈہ اور ڈاکو بنا ہوا ہے۔ یہ عزت کی نہیں ذلت کی بات ہے۔ خونخوار درندہ معزز نہیں کہلاتا۔ امریکہ ایک خونخوار بھیڑیا بنا ہوا ہے۔ ہر وقت یہ لوگ بحرانوں کے شکار ہیں۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ کو نہ دیکھیں بلکہ سیاسی اقتصادی بحرانوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان کا معاشی نظام ہر وقت بحران میں ہے۔ یہ اس سودی نظام ہی کے اثرات ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فاذنوا بحربٍ من اللّٰہ ورسولہ۔

۲۵ سال کی طویل رات ہم ہر معاملہ میں کہتے ہیں کہ راتوں رات تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ بھئی ٹھیک ہے کہ راتوں رات تو تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر ایک رات ۲۵ سال طویل ہو جائے پھر تو ۲۵ سال کی رات میں بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اس رات کو جلد ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ صبح امید کا انتظار کب تک ہوگا۔ اُسے جلد صبح بنا دینے میں کیا رکاوٹ ہے اسکی ایک مثال دیتا ہوں۔ کہ آج سے دس سال قبل میرے والد ماجد حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم نے ۵ جون ۱۹۷۳ء کو اسی اسمبلی میں ایک قرارداد پیش کی کہ سودی نظام کا خاتمہ کر دیا جائے۔ فاضل ارکان اور ممبران نے اس پر ہر گوشے سے بحث میں حصہ لیا ہے۔ مگر اکثریتی پارٹی کا دور تھا۔ انہوں نے تقریروں میں کہا کہ سودی نظام کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اور ۲۹ جون ۱۹۷۳ء کو تالیوں کی گونج میں اکثریتی پارٹی یعنی حکومت نے اس قرارداد کو مسترد کر دیا۔ (شیم شیم شیم کی آوازیں۔) جیسے کل یہاں کسی مغالطہ کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے جناب حمزہ صاحب کی قرارداد مسترد کر دی گئی۔ جو سامان تعیش کی درآمد ختم کر دینے کے بارہ میں تھی، جس کا اچھا اثر باہر نہیں پڑا ہوگا۔ اور حالانکہ شاید مسترد نہیں

کی گئی تھی کسی مغالطہ سے ایسا ہوا کیونکہ ارکان نے تقریروں میں زور شور سے اسکی تائید کر دی تھی تو ہمیں اس ایوان سے باہر یہ بات پہنچانی چاہئے کہ ہم تعیشات کے درآمد کے لئے یہاں نہیں بیٹھے ہیں۔ ہم اسے ختم کرنا چاہتے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں۔ تو اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ہونا چاہئے۔

بہر حال اس قرارداد پہ دس سال گذرے مگر ہم نے سودی نظام کو ختم کرنے کے بارہ میں کیا کیا؟ یہاں تک کہ آج اسی مولانا عبدالحق صاحب کا بیٹا کھڑا ہے۔ اور ساری بات اسی موڑ پہ اسی اسٹیج پر ہے۔ اور ان کا بیٹا سود کے خاتمہ کی اپیل کر رہا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ طویل رات اگر اور بھی لمبی ہو گئی تو شاید ایسا ہو کہ دس سال بعد مولانا کا پوتا پھر یہاں کھڑا ہو اور پھر یہ قرارداد پیش کر رہا ہو۔ (گویا تین تین نسلیں کسی خرابی کے ازالہ میں لگی رہیں گی مگر رات کا خاتمہ نہیں ہوگا۔)

خدا کے لئے جب ہم کسی سمت میں کھڑے ہوگئے ہیں تو کچھ تو قدم بڑھانا چاہئے۔ یہاں ہر شخص کہتا ہے کہ سودی نظام ختم کیسے ہوگا؟ اور ہر شخص کہتا ہے کہ میں ایسی رپورٹ بنا کر پیش کر دوں گا۔ کل ہمارے مولانا (مولانا محمد مالک کاندھلوی) نے بھی ایسی ہی پیشکش کر دی۔ ہمارے مولانا کے جذبات بڑے قابل قدر تھے لیکن ایسا بھی تو نہیں کہ ہم آج اچانک آسمان سے اتر پڑے ہیں اور اسلامی نظام بھی اچانک کہیں نازل ہوگیا ہے اور ہم چودہ سو سال خلاء میں رہے۔ اور آج ہمیں ہر ہر چیز کی تلاش کرنی ہے۔ جبکہ ان چودہ سو سال میں ہماری ہر ہر چیز مرتب مدوّن شکل میں موجود ہے۔ ہماری حکومتیں صدیوں قائم رہی ہیں اور نئے حالات اور سانچوں کے مطابق بھی اس پر محنت ہوتی رہی ہے۔ آج سے کئی سال قبل ہمارے اسلامی نظریاتی کونسل سے بڑی محنت سے ایک ورک پیپر تیار کیا۔ پھر اس بارہ میں ممتاز ماہرین معاشیات اور بنکاروں کا ایک بہت بڑا پینل بنایا گیا۔ تین سال وہ مسلسل لگا رہا اور چار سو صفحات میں اس نے بلاسودی نظام کا ایک ایسا خاکہ پیش کر دیا۔ ایک ایسا نظام معیشت ہمارے سامنے رکھ دیا کہ دنیا نے اسکی تحسین کی اور سعودی عرب نے مبارکباد دی۔ رابطہ عالم اسلامی نے اسے سراہا۔ یہ ہمارے پاکستانی ماہرین معاشیات تھے جنہوں نے عالم اسلام کو ثابت کر دکھایا کہ سارا اقتصادی نظام بلاسودی معیشت پہ یہاں قائم کیا جا سکتا ہے۔ ہم ہر رپورٹ کو پیچھے ڈال دیتے ہیں اور ہر معاملہ میں ایک نئی رپورٹ کے لئے نئی کمیٹی تشکیل دیدیتے ہیں ہر مسئلہ میں ہم ایک اور کمیٹی بنا لیتے ہیں۔

اسلامی نظام اور مجلس شوریٰ | آج ہم نے جب بجٹ کا جائزہ لینا ہے تو خدا کیلئے میرے یہ دو منٹ ناگوار نہ گذریں۔ ہم مالیات کا تو میزانیہ لگاتے ہیں اور تخمینہ کمی بیشی کا لگاتے ہیں۔ ہم آج اس مجلس شوریٰ کا بھی کچھ میزانیہ اور تخمینہ لگالیں۔ چھ مہینے ہمیں گذر گئے جنوری سے بلکہ آج جون کا اختتام ہونے کو ہے۔

ہمارا نصف سال ہے مالیاتی نظام کا تو ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہم نے اسلامی نظام کا نعرہ بلند کیا تھا تو ہم نے
معاملہ میں یہ گاڑی کہاں تک آگے بڑھائی ہے۔ کچھ قدم ہم نے اٹھایا بھی ہے یا ہنوز روز اوّل اوّل ست۔
میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ بدقسمتی سے وہ صورت بہتر ہوتی کہ صدر مملکت ان امور کے لئے ایک
آرڈیننس کر لیتے اور آرڈیننس سے اسلامی نظام کا نفاذ کرایا جاتا۔ اس کے لئے یہ شورای تو ایسی ثابت ہوئی
مثل ہے کہ بارش سے بھاگتے تھے مگر پرنالے کے نیچے رات بسر کرنی پڑی۔

جناب والا! تو معاملہ کچھ آگے بڑھانے کا ہے۔ ہمیں انتظار تھا کہ جناب وزیر خزانہ نئے بجٹ
میں کچھ ایسی سکیمیں پیش کریں گے جسکو بلاسودی معیشت کی طرف کچھ پیش رفت کہا جاسکے گا۔ جبکہ یکم جنوری
۱۹۸۹ء کو صدر پاکستان نے وعدہ کیا تھا کہ تین سال کے اندر پاکستان سے سودی نظام کا مکمل خاتمہ کر دیا
جائے گا۔ ان تینوں سالوں کا یہ آخری سال تھا اور ہمیں انتظار تھا کہ رب العالمین اور ملت سے کئے
گئے وعدہ کو پورا کرنے کیلئے کچھ پیش رفت کی جائے گی۔ مگر جو نئی سکیم سامنے آئی وہ بھی سودی خطوط پر
استوار، بہرحال سودی معیشت اور ان کاموں کیلئے ہمیں کسی نئی کمیٹی اور لمبی چوڑی رپورٹوں کے چکر میں
نہیں پڑنا چاہیئے، اخلاص سے اگر ہم عملی قدم اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ راستہ آسان کر دے گا۔ اب ایک
کمیٹی نے رپورٹ پیش کر دی تو دوسری کمیٹی اس پر غور کرے گی۔ پھر ایک تیسری کمیٹی اس پر غور کرے گی۔
کمیٹیوں کا نہ ختم ہونے والا چکر اور یہ ایک عام بات ہے کہ جو کام التوا میں ڈالنا ہو اسکو کمیٹیوں
کے سپرد کر دیجئے۔ پھر وہ سلسلہ دراز ہوتا چلا جائے گا۔ اور ختم ہی نہیں ہوگا۔ ہمارے ایک دوست نے قصہ
سنایا کہ جہانگیر بادشاہ کی ملکہ سے غلطی سے تیر کسی دھوبی کو لگ گیا اور وہ قتل ہوا۔ اسکی بیوی دھوبن
چیختی چلاتی بادشاہ کے پاس فریاد لیکر پہنچی۔ اب عدل جہانگیر تو مشہور تھا ہی۔ جہانگیر پریشان ہوگئے
کہ اب کیا کیا جائے گا۔ قصاص میں ملکہ قتل ہونے کا خطرہ ہوا تو ایک وزیر نے کہا کہ پریشان ہونے کی کیا بات
ہے۔ کمیٹی بنالیں گے۔ جہانگیر نے جھنجھلا کر کہا کہ اس سے فائدہ کیا ہوگا۔ تم نے کمیٹی کمیٹی کی کیا رٹ لگا رکھی ہے
کام کی بات کرو۔ وزیر نے کہا حضور کمیٹی قائم کر دیجئے وہ تحقیقات کرے گی کہ تیر کس قسم کا تھا؟ کس سائڈ
سے آیا؟ ملکہ کس حالت میں تھی؟

اس ضمن میں ایک اور لطیفہ سنانا چاہوں کہ ایک مولوی جو درحقیقت عالم نہیں تھا مگر خواہ مخواہ
علمیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا۔ خواہ مخواہ عالم بننے کی کوشش کر رہا تھا تو ایک صاحب نے آکر مسئلہ
پوچھا کہ کنویں میں چوہا گر گیا ہے اب کتنے ڈول نکالے جائیں کہ کنواں پاک ہو۔؟ مولوی بہت چالاک تھا۔
اسے مسئلہ معلوم نہیں تھا تو سوال کرنے والے سے کہا کہ چوہا کس سمت سے آیا تھا۔؟ کس سپیڈ سے آ رہا تھا۔

کس انداز سے وہ کنوئیں میں گرا تھا؟ ایسے بیشمار سوالات اور نکتے نکال کر اُسے واپس کر دیا کہ جا کر یہ سب باتیں معلوم کر کے آؤ تب مسئلہ معلوم ہو سکے گا۔

بہرحال اس کمیٹی نے تحقیقات شروع کیں۔ جہانگیر نے کہا کہ بھئی اگر کمیٹی نے دھوبن کے حق میں فیصلہ دے دیا کہ دھوبی کے قصاص میں ملکہ کو قتل کیا جائے تو وزیر نے کہا کہ پھر ایک دوسری کمیٹی بنالیں گے کہا اگر اس نے بھی فیصلہ دیدیا، کہا کہ پھر اس کے اوپر ایک اور بڑا کمیشن بٹھا دیں گے اور اس طرح کمیشن بیٹھتے رہیں گے۔ جب تک کہ دھوبن مر نہ جائے۔ اور دھوبن مر جائے تو قصاص کا مطالبہ ہی ختم ہو جائے گا۔

تو جناب والا! خدا نے ہمیں بھی یہ مرد مومن جو دیا ہے۔ ضیاء الحق، خدانخواستہ یہ نہ ہو کہ یہ موقعہ اللہ نے جو ہمیں دیا ہے۔ پھر یہ بھی ہاتھ سے نکل چکا ہو اور کمیٹیاں دھری کی دھری رہ جائیں۔

جمہوریت اور الیکشنوں سے اسلامی نظام لانا مشکل ہے۔ میں ضمناً ایک بات، یہ بھی عرض کروں کہ اسلام۔ اسلام۔ اسلام کا نعرہ تو ہمیشہ لگایا جاتا ہے۔ مگر اسلام کو نافذ کرنے کا جو موقعہ اللہ نے ہمیں اس وقت دیا ہے۔ نہ ماضی میں تھا نہ مستقبل میں ملے گا۔ اگر یہ موقع بھی ہم نے ضائع کر دیا تو پھر اور طریقوں سے یہاں اسلام نہیں لایا جا سکتا۔ یہاں شخص واحد اور مجلس شوریٰ مل کر بھی جو کام نہ کر سکے تو وہ الیکشنوں کے ذریعہ یا مروجہ جمہوریت کے ذریعہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بد قسمتی سے ہمارے بہت سے دوست ہیں۔ علماء کرام میں سے، وہ بھی الیکشن کے پیچھے مر رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ آئندہ ڈیڑھ سو سال میں بھی ہم مروجہ طریقوں کے الیکشن کے ذریعہ یہاں اسلام ہرگز ہرگز نافذ نہیں کر سکتے۔ یہاں صالح اور اچھے دین سے محبت رکھنے والے لوگ ہرگز الیکشن کے ذریعہ اس اسمبلی میں نہیں بٹھا سکتے۔ یہاں سود اور زنا کے بارہ میں قرار دادیں پیش ہوتی رہیں اور تالیوں کی گونج میں اُسے مسترد کیا جاتا رہا۔ (شیم۔ شیم کی آوازیں۔)

اس جمہوریت کے پیچھے ہم کیا پڑے ہوئے ہیں یہاں مولانا عبدالحق صاحب، میرے والد ماجد نے فحاشی کے خلاف ایک قرار داد پیش کی تو اکثریتی پارٹی کے ارکان نے انہیں کہا کہ مولانا آپ کو روحانیت کا کیا علم ہے۔ وہ تو کوٹھے پر سیکھی جاتی ہے۔ یعنی وہ تو ناچ گانے کے کوٹھے پہ سیکھی جا سکتی ہے اور تم لوگ وہاں جاتے نہیں ہو۔ تم موسیقی اور رقص و سرود کا مزا کیا جانو وہ تو روحانیت کا ذریعہ ہے۔ تو ایک یہ دور تھا اور الحمدللہ کہ اس دور کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک موقعہ دیا۔ عالم اسلام کی نظریں آپ پر لگی ہوئی ہیں۔ تو خدا کے لئے اس کام میں صدر صاحب کا ہاتھ بٹائیں۔ ان کو مجبور کریں ان کا محاسبہ کریں، ان پر تنقید کریں کہ خدارا ہم پر بھی اور ملک پر بھی رحم کیجئے اور اس کام کو جلدی سرانجام دیں۔

لادینی عناصر اور اسلامی نظام کے طعنے جو فتنے اٹھ رہے ہیں ہمارے خلاف اور آج ارد گرد کا سارا نقشہ آپ کے سامنے ہے۔ ادھر ہمارے دوست ولی خان صاحب لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ اس کو بھی اسلام کا درد کھاتے جا رہا ہے۔ وہ بھی کہتا ہے کہ اسلام تو ایک آرڈیننس کے ذریعہ نافذ ہو سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایک سیکولر ذہنیت کے شخص کو اسلام سے کیا ہمدردی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جنرل ضیاء الحق کے گریبان میں ہاتھ ڈالیں گے تو ہم ڈالیں گے کہ بھائی تم اسلام کو نافذ کیوں نہیں کرتے ہو۔ لیکن جب پیپلز پارٹی اور ولی خان اسلام کے طعنے دیتے ہیں۔ تو انہیں تو اصل درد یہ ہے کہ یہ شخص اسلام لاتا کیوں ہے۔ تو فرق ہے اس میں۔ ہم صدر صاحب کا محاسبہ کریں گے۔ ان کے گلے میں ہاتھ ڈالیں گے لیکن دشمن کو نہیں چھوڑیں گے کہ وہ ان کے اوپر ہاتھ اٹھاتے تو ان کی نیت میں اور ہماری نیت میں فرق ہے۔

وہ (ولی خان صاحب) اسلام اسلام بھی کرتا ہے اور علی الاعلان یہ بھی کہتا ہے کہ وہ (افغانستان) اسلام اور کفر کا جنگ نہیں ہے۔ اور یہ صرف روس اور امریکہ کی جنگ ہے۔ بہت سے لوگ اس پر بھی واہ واہ کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ چلئے یہ روس اور امریکہ کی بھی جنگ ہے مگر میں پوچھتا ہوں کہ اسلام کا حکم آخر کیا ہے۔؟ دو سپر پاورز ہیں۔ ایک عالم اسلام کے کچھ حصے کو مسخر کرتا ہے۔ اور غلام بناتا ہے۔ ایک دوسرے حصے کو تو جس حصے پر روس قبضہ کرے گا تو مسلمانوں کو کیا حکم ہے کہ وہ خاموش بیٹھے تماشا دیکھتے رہیں اور آرام سے لیٹ جائیں اور سونے کی طشتری میں اپنے ملک کو دشمن کو پیش کر دیں۔ کہ اگر ہاتھ اٹھائیں گے تو یہ روس اور امریکہ کی جنگ کہلائے گی۔ اسی طرح اگر امریکہ لبنان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا وہاں مسلمان آرام سے بیٹھ جائیں کہ یہ بھی روس اور امریکہ کی جنگ ہے۔

بڑی طاقتوں کی مصلحتیں مگر اسلام کا تقاضا میں تو حیران ہوں کہ یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟ چلئے اگر یہ روس اور امریکہ کی بھی جنگ ہو تو جب امریکہ ہمیں غلام بنائے گا۔ تو مسلمان خاموش بیٹھے رہیں گے۔ روس ہم پر جبر و استبداد کرے گا ظالمانہ قبضہ جمائے گا۔ تو کیا ہمارے لئے شریعت کا یہ حکم ہے کہ ہم خاموش رہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جس گھر میں جس ڈاکو نے ڈاکہ ڈالا ہے۔ سب سے پہلے اس گھر والوں کو اس ڈاکو کی فکر کرنی چاہئے۔ ہمیں عربوں سے ہمدردی ہے ہمارا عربوں کے ساتھ ایمانی رشتہ ہے۔ ہمیں سب کچھ کرنا چاہئے مگر ادھر سے یہ لوگ جو نعرہ لگاتے ہیں کہ یہ لبنان کیوں جا کر نہیں لڑتا۔ تو میں کہتا ہوں کہ جب تمہارے پڑوس میں روس نے ظلم و تشدد کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ مسجدیں ساری گرا دی ہیں۔ ۳۰ لاکھ افراد عورتیں بچے مرد یہاں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ تو تم یہاں اتنے قریب جا کر کیوں نہیں لڑتے۔ تم وہاں اڈے کیوں قائم کر رکھے ہیں۔؟ تم نے اپنی تنظیمیں وہاں قائم کر رکھی ہیں۔ کیا امریکہ کافر ہے تو روس کافر نہیں

ہے ۔ ہم تو روس سے بھی لڑیں گے ۔ یہ ہمارا ایمان ہے ۔ اور امریکہ سے بھی ہم لڑیں گے ۔ لبنان کی بھی مدد کریں گے ۔ اور افغانستان کی بھی ، یہ نہیں کہیں گے کہ خاموش رہو اور غلامی قبول کرو ۔ اگر ایسی بات تھی تو تم جس جنگ آزادی کے ہیرو بنے پھرتے ہو ۔ خود ساختہ ہیرو ۔ تو انگریزوں کے خلاف کیوں لڑ رہے تھے ۔ انگریز کا مسئلہ بھی تو وہی بڑی طاقتوں کی طاقت آزمائی تھی ۔ ہم تو اس کو بھی اسلام اور کفر کا معرکہ سمجھتے تھے اور اس کو بھی ـــــ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ مختصر بات ہے افغانستان کے مسئلہ کو ایک   بنا لینا چاہیئے جس شخص کے دل میں نرم گوشہ ہے اس جہاد کے بارہ میں جس شخص کو افغانستان کا مسئلہ عظیم مسئلہ نہیں ہے ۔ وہ غدّار ہے ۔ اس ملک کا وہ اسلام کا غدّار ہے وہ خدا اور رسول کا غدّار ہے ۔ ایمان کا ٹمپریچر اس سے معلوم ہوگا کہ ایمان یا کفر کتنا ہے ۔ مہاجرین کے لئے ہم سب کچھ قربان کر دیں گے ۔

ہمیں افغانستان کے مسلمانوں سے ہمدردی ہے ۔ وہ ہمارے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ہماری جنگ لڑ رہے ہیں ۔ ہم ان کی پیٹھ میں ادھر سے چھرا گھونپ دیں ؟ ـــــ تو ایک معیار بنانا چاہیئے ۔ کہ جو پارٹی خواہ وہ علماء کی پارٹی ہو خواہ دینداروں کی پارٹی ہو جو لوگ بڑے محب وطن کیوں نہ کہلاتے ہوں لیکن رشتے ان لوگوں سے استوار کریں گے ۔ ان کو ہم غدّار کہیں گے ۔

ـــــ تو بہر حال اس فتنے کا علاج ایک تو مکمل یکجہتی ہے اور یہ کہ ہم یہاں عملاً اسلام نافذ کریں گے ورنہ اس طرح پھوڑے اور پھنسیوں پر پھاہے رکھنے سے کچھ بھی نہیں ہوگا ۔ تھوڑی دیر کا وقفہ ملے گا پھر یہ مادہ ایسا ابھرے گا ۔ ایسا پھٹے گا کہ یہاں کمیونزم پھیل جائے گا ۔ اور لوگ اسلام کا نام لینے کو بھی پسند نہیں کریں گے ۔ خدا کیلئے اپنے بچوں کو آنے والی نسل کو کفر کی گود میں جانے سے پہلے پہلے غلام بننے سے پہلے پہلے خدارا ایسے خطوط پر یہ معاشرہ استوار کریں کہ خود کمیونسٹ بھی واہ واہ کریں اور اسلام کیطرف دیوانہ وار لپک کر آجائیں کہ یہ ہے اسلامی معاشرہ ۔ یہاں اگر آپ دودھ کی ندیاں بھی بہائیں مگر اللہ اور رسول کا حکم جب تک نافذ نہ ہوگا تو ایک نظریاتی مملکت اس وقت تک نظریاتی مملکت کہلا سکتی ہے کہ وہ نظریہ کی بنیادوں پر قائم ہو ۔ اگر نظریات موجود نہ ہوں تو ہم اس کو نیویارک تو بنا سکیں گے ، ماسکو بنا سکیں گے مگر اسے اسلام آباد نہیں کہہ سکیں گے ۔

تو خدارا ان چیزوں پر تمام افراد نظر رکھیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ چھ مہینے تو ہمارے بالکل ضائع ہو گئے ۔ ہم نے اسلامی نظام کیطرف بالکل پیش رفت نہیں کی ۔ اگلے چھ مہینوں میں خدا کرے ہم اسکی تلافی کریں ۔ اور اس کا کفّارہ ادا کریں ۔

جناب وائس چیئرمین :ـ مولانا صاحب ! ذرا اختصار سے کام لیجئے ۔

مولانا سمیع الحق صاحب :-

نظام تعلیم میں انقلابی تبدیلیاں اس کے لئے میں مزید اتنی گذارش کروں گا کہ اصلاح معاشرہ کیلئے نظام تعلیم میں انقلاب کی ضرورت ہے۔ صرف یہ نہیں کہ چند آیات اور چند احادیث کے لئے ایک آدھ پیریڈ کالجوں اور سکولوں میں رکھ دیں۔ اس کے لئے ایک تو تعلیم کا رخ بدلنا ہے۔ کہ موجودہ تعلیم کا مقصد تو صرف تحصیل معاش ہے اور اسلام کی نظر میں تعلیم انسانیت پیدا کرنے کی چیز ہے۔ نفس کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ معاشرہ کی تطہیر کے لئے ہے اور کائنات آفاقی و انفسی میں غور و تدبّر کیلئے اللہ کی معرفت کے لئے ہے۔ ایثار اور اخلاق پیدا کرنے کے لئے تعلیم دی جاتی ہے۔ اور حاصل کی جاتی ہے تو جب تک ہم تعلیم کا سارا رخ ان خطوط پر نہیں ڈالیں گے تو مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ سارے نصاب کو سارے مضامین کو ہمیں "اسلامیانا" ہوگا۔ اسلام صرف ایک آدھ مضمون سے نہیں آتا۔ سارے مضامین اور زندگی کے ہر شعبے سے اس کا تعلق ہے۔ ہم فلسفہ پڑھائیں تو اس میں مسلمان فلاسفہ کے افکار مسلمان فلاسفہ کے حالات ہوں۔ تاریخ پڑھائیں تو مسلمان مورخین کے عمرانیاتی نظریات ہوں ہم معاشیات کا مضمون پڑھائیں تو اس میں معاشی نظریہ اسلام کے موجود ہوں پھر تقابلی مطالعہ ہو غیر اسلامی معاشی نظریات سے، کمیونزم سے موازنہ ہو کیپٹل ازم سے مقابلہ ہو اور مسلمان ماہرین معاشیات کے افکار ہوں۔ جغرافیہ پڑھائیں تو اس میں بھی ہم اسلامی چیزوں کو لے سکتے ہیں۔ سمت قبلہ کیسے معلوم ہوگی -؟ اوقات نماز کا تعین کیسے ہوتا ہے۔ یہ چند مثالیں ہیں کہ یہ سب باتیں اس میں آسکتی ہیں۔ ہم ریاضی پڑھاتے ہیں، حساب پڑھاتے تو کیا اس میں ہم زکوٰۃ اور عشر کے مقادیر اور حصص نہیں رکھ سکتے؟ اس میں ہم میراث کے سارے حصص نہیں بیان کر سکتے کہ اتنا پیچیدہ موضوع ہے کہ بڑے بڑے علماء کو مشکل سے معلوم ہوتا ہے۔

تو علم ریاضی میں ایسے مضامین سے علم ریاضی بھی اسلامی ہو جائے گا۔ سائنس مادہ پرست ذہنیت کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ خدا اور رسول سے باغی بھی بناتی ہے۔ مغربی طرز تعلیم میں سائنس کا یہی نتیجہ سامنے آیا ہے۔ ہم اگر سائنس کو پڑھائیں تو اس کو ایسے طرز پر مرتب کریں کہ وہ خدا کی وحدانیت کا خدا کی عظیم حکمتوں کا قدرتوں کا تصوّر ابھار سکے۔ اور یہ باتیں ذہن میں جاگزیں ہوں تو ایک مسلمان بنانے کا سب سے بڑا ذریعہ سائنس بن سکتی ہے۔ یورپ نے تو سائنس اور سارے مضامین کو مادیت اور مادہ پرستی کا ذریعہ بنا لیا ہے، ہم نے بھی اسکو اپنا لیا ہے۔ —— تو ہمیں سارے مضامین پر ایک نظر ڈالنا ہوگی۔

اسلامیات کا معیار یہ ہو کہ میٹرک تک کم از کم بچہ قرآن و حدیث اور اسلام کے ضروری عقائد

احکام سے باخبر ہو جائے۔ ایک اجمالی علم اسکو اسلام کا حاصل ہو سکے۔

پھر اساتذہ کا معیارِ انتخاب، ہے کہ جتنی بھی ڈگریاں کسی کے پاس کیوں نہ ہوں لیکن اس کا ذہن اسلامی نہیں ہے۔ اس کا میل جول غلط نظریات والوں سے ہے۔ وہ اسلام سے عملاً باغی ہے۔ لہٰذا انتخاب میں اس معیار کو سامنے رکھنا چاہیئے کہ وہ اسلام کے معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ خواہ تعلیمی صلاحیت اور ڈگریاں کچھ بھی کیوں نہ ہوں انہیں ثانوی حیثیت دیں گے۔

اس کے بعد تعلیمی انقلاب کیلئے ماحول پر نظر رکھنی ہوگی کہ سکولوں میں، کالجوں میں، مخلوط ڈرامے نہ ہوں، رقص وسرود نہ ہوں، نماز کے اوقات کا تعین ہو، اوقاتِ نماز میں جماعت کرائی جائے اسطرح اقدامات سے تعلیم میں انقلاب آسکتا ہے۔ چند صورتوں اور احادیث کا مضمون رکھ دینے سے نہیں۔

فرقہ وارانہ یکجہتی

محترم دوستو! میں آخر میں صرف ایک اور بات کیطرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ان تمام خطرات اور فتنوں کے انسداد کے لیئے ہمیں فرقہ وارانہ یکجہتی قائم رکھنے کی ضرورت ہے۔ شیعہ سنیّ دیوبندی بریلوی مسئلے اس ملک کے لیئے سخت ترین مہلک ہیں میں تو خود ایک مسلک سے تعلق رکھتا ہوں تو اوّلاً اپنے لوگوں سے توقع رکھتا ہوں کہ خدارا ملک میں فرقہ وارانہ فضا بالکل نہ پیدا کی جائے۔ اور اس اسمبلی میں ہمارے سامنے موجود یہاں جیّد بریلوی علماء موجود ہیں یہاں شیعہ علماء موجود ہیں یہاں دیوبندی حضرات موجود ہیں۔

الحمدللہ ان چھ مہینوں میں یہاں دین کے کسی ایک مسئلہ میں ہمارا کوئی باہمی جھگڑا پیدا نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے ہم اوروں پر غالب بھی آرہے ہیں اور مذاقاً کہتا ہوں کہ ہمارے یہ بعض دوست یہاں پریشان بھی اسی وجہ سے ہیں کہ یہ لوگ تو آپس میں بالکل متفق ہیں تو اگر ہم اس طرح دینی اقدار کیلئے پورے ملک میں متحد رہیں گے۔ تو ہمیں نہ روس زیر کر سکے گا نہ کوئی اور نہ کوئی دشمن ہمارے اختلاف سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ نہ ہم اسلامی نظام سے محروم رہ سکیں گے۔

لیکن بدقسمتی سے کچھ لوگ دونوں طبقوں کے جذبات کو ہوا دیتے ہیں۔ آج ہی یہاں کچھ لوگوں نے ایک عرضداشت بھیرہ کے متعلق بھیجی ہے۔ اسطرح مختلف مقامات پر ہوتا ہے۔

تو کل ہی میں نے صدرِ محترم سے ملاقات میں یہی کہا کہ خدارا تمام احباب کچھ ایسی تدابیر سوچیں کہ فرقہ وارانہ مسئلے بار بار نہ اٹھائے جائیں اور ہماری قومی سلامتی اور یکجہتی متاثر نہ ہوں۔ اس ضمن میں میں ایک اور عرض کرتا ہوں کہ قادیانیت کے بارہ میں اس حکومت کے جذبات قابلِ تحسین ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع اوکاڑوی :- پوائنٹ آف آرڈر، سر۔

جناب چیئرمین صاحب :- عرض یہ ہے، جیساکہ مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا ہے ہم بحمد اللہ تعالیٰ ملک وملت کے حصول کے وقت بھی جمع ہوتے تھے اس کے بعد جب نظام مصطفیٰ کی تحریک چلی اس وقت بھی ہم سب متفق ہوتے تھے۔ آج بھی ہم سب متحد اور متفق ہیں۔ اگر مولانا کا یہ جذبہ صحیح ہے تو میں مولانا ہی سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ہی حضرات کے مسلک کے لوگوں نے یہاں آواز اٹھائی تھی۔ آپ تعاون کیجئے اور لواری شریف (بلوچستان) کا عرس جو ہے اس کو باقاعدہ جاری رکھنے کیلئے ہمارے ساتھ تعاون کیجئے۔

جناب چیئرمین صاحب :- آپ تشریف رکھئے۔ تشریف رکھئے۔ یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیع اوکاڑوی :- میں مولانا سے تعاون کرتا ہوں۔ ہمارے ساتھ۔۔۔

جناب چیئرمین صاحب :- مولانا سمیع الحق جاری رکھیں مگر آپ کوشش کیجئے کہ اختصار ہو۔

مولانا سمیع الحق صاحب :- میں ان ہی باتوں میں اپیل کرتا ہوں کہ ایسی باتوں کو نہ اچھالا جائے اور رواداری سے کام لیا جائے۔

قادیانیت | میں عرض کر رہا تھا کہ اس حکومت کے بارہ میں قادیانیت کی وجہ سے کچھ لوگوں نے ہنگامہ اٹھانے کی کوشش کی اور الحمدللہ کہ یہ اس صدر مملکت کا حوصلہ ہے اور ہمارے وزراء کرام نے جسطرح ہم چاہتے تھے اور جن الفاظ میں چاہتے تھے آرڈیننس نافذ کر دیا۔ دوبارہ اس ترمیم کو بحال کرنے کا، تین دفعہ یہ مسودہ ہم نے چیک کیا۔ اور عبارتوں کو تبدیل کیا اور جب ہم مطمئن ہو گئے تب انہوں نے اس آرڈیننس پہ دستخط کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود کچھ لوگوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مخالف کے ہاتھ میں ہتھکنڈے آ جاتے ہیں اور یہ مسئلہ بار بار اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ کہ ہم سب کو حکومت کو اور سارے مسلمانوں میں پریشانی پیدا ہو اور وہ لوگ مسلمانوں میں اپنے اغراض پورا کر سکیں۔ مگر کچھ ایسی   ہے انڈر گراؤنڈ جو بہت گہری ہے۔ محدود ہے۔ مگر وہ ضرور کچھ ایسی گڑبڑ کرتی رہتی ہے۔ جو مسلمانوں کے اضطراب کا سبب بن جاتی ہے۔ اب پاسپورٹ کے فارم کا مسئلہ ہے کہ اس کے فارم سے قادیانیوں کے بارہ میں کچھ حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔ جو پرانے فارموں میں تھا۔ تو میں کہتا ہوں کہ اگر چیز چل رہی تھی اب تک، تو کسی فقرے اور پیراگراف کو جو ہزاروں قربانیوں سے حاصل کی گئی تھی چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ بڑا   مسئلہ ہے اس ملک کا، نازک مسئلہ ہے۔ تو اس عبارت کو حذف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اسلامی حکومت آ کر ایک چوتھا فقرہ بھی بڑھا دیتی کہ اس بدبخت قادیانی پہ اس کے ساتھیوں پہ اللہ کی لعنت ہو اور سب کچھ ہو۔ تو ہمیں کیا ہے، اور اللہ اور رسول کے اس باغی سے اور حضور اقدس کی ختم نبوت کے غدار سے ہمدردی

اور رواداری کی کیا تک ہے۔ اگر ہم کچھ بڑھاتے نہیں تو پچھلی عبارتوں کو گھٹانے کی کیا ضرورت ہے۔ تو یہ مسئلہ پھر کسی سازش کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح آج کے اخبار جنگ میں اداریہ آیا ہے کہ ختم نبوت کا جو مضمون اسلامیات میں چلتا رہتا ہے۔ حضور کے خاتم النبین ہونے کا مضمون، تو بغیر کسی تنقید کے، کسی فرقہ کے ذکر کے بغیر، تو ڈگری کلاسوں میں اسلامیات کے نصاب سے ختم نبوت سے متعلق مضامین نکال دئیے گئے ہیں۔ تو ان مضامین کے اخراج پر مجلس تحفظ ختم نبوت کیطرف سے شدید احتجاج کیا گیا ہے اور جنگ نے اداریہ لکھا ہے۔ کہ یہ تو انگریزوں کی ایک چال تھی کہ جہاد کے منکر پر ختم نبوت کے منکر کچھ طبقے مسلمانوں میں پیدا ہوں۔ ایران میں بہائی پیدا کئے۔ یہاں مرزائی پیدا کئے، اور ملکوں میں کچھ اور لوگ۔ تو آج ایسا کرکے کن کو ہم خوش کرنا چاہتے ہیں۔ جو ہیں جن کے اسرائیل سے علانیہ روابط ہیں۔

— تو ختم نبوت کے مضمون کو اگر اسلامیات سے نکال لیتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ہم کیسے امیدوار ہوں گے۔ تو کچھ طبقے ہوتے ہیں جو ہماری لاعلمی سے اور برسر اقتدار حضرات کی لاعلمی میں شرارت کرتے ہیں۔ تو آخر یہ سلسلہ کیسے چلتا رہے گا۔ لوگ نکلیں گے، احتجاج کریں گے۔ آپ اس کا ازالہ کریں گے پھر ایسا ہوگا۔ پھر ایسا ہوگا۔ پھر کوئی اٹھ کر کوئی شوشہ چھوڑے گا۔ ہمیں علم ہے کہ ترمیم کے ساتھ کس نے کیا کیا تھا؟ اور خفیہ ایک معمولی سے آدمی نے پوری حکومت کیلئے مسئلہ کھڑا کر دیا۔ تو اس آدمی کے بارہ میں حکومت نے کیا نوٹس لیا؟ اور اس کے خلاف قدم کیوں نہیں اٹھایا۔ یہ ایک طے شدہ قطعی مسئلہ ہے۔ اس کو بار بار چھیڑنا اور اس کی وجہ سے پریشانیاں پیدا کرنا، خدارا اس کا بھی کچھ انسداد فرمائیں۔

اپنے علاقہ کے مسائل آخر میں میں اپنے حلقہ اور علاقہ کے بارہ میں صرف دو لفظ کہتا ہوں کہ وہ حلقہ جو اٹک پل سے پشاور تک پھیلا ہوا ہے۔ اور وہ ایسے غیور مسلمانوں کا حلقہ ہے۔ جو گڑھ سمجھتا ہے دوسری پارٹیوں کا۔ نیشنل عوامی پارٹی کا اور لادینی طاقتوں کا۔ مگر ان غیور مسلمانوں نے ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں سب کچھ دین پر قربان کر دیا۔ اور آج اجمل خٹک ان لوگوں کی وجہ سے کابل میں جلاوطن ہو کر بیٹھا ہوا ہے اور ۱۹۷۷ء میں صوبہ کے چیف منسٹر نصر اللہ خان خٹک کو ان لوگوں نے ٹھکرا دیا۔ مگر اس حلقہ کی حالت پسماندگی کی نہایت افسوسناک ہے۔ موجودہ وائس چیئرمین اس علاقہ سے واقف ہیں کہ سینکڑوں میل کا علاقہ سڑکوں کے لحاظ سے پانی کے لحاظ سے بجلی کے لحاظ سے چودھویں صدی میں رہتے ہیں۔

ہمارے جناب وزیر خزانہ غلام اسحاق خان صاحب تو نظام پور اور خٹک کے پسماندہ علاقوں سے واقف ہوں گے جو کوہاٹ تک پہنچا ہوا اس علاقہ خٹک کے ۳۰ - ۳۵ دیہات تو ایسے ہیں۔ کہ کوئی

ہاں ہائے تو یہ سمجھے کہ میں دوسو سال قبل کے کسی علاقے میں آگیا ہوں۔ تو ان لوگوں کی ایمانی قوت، تو ان
ے پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ مگر حالت یہ ہے۔ سیمنٹ کے کارخانے وہاں لگائے جا سکتے ہیں
رصہ سے ہم یہ مطالبہ کرتے آئے ہیں۔

ہمارے محترم جناب غلام فاروق خان صاحب جو ہمارے بزرگ ہیں ہمارے علاقے کے ہیں۔ انہوں نے
ں علاقہ میں اب سیمنٹ کا ایک کارخانہ لگایا اور ان کو جو رپورٹیں ملی تھیں تو اس علاقے کے پتھر سیمنٹ
ے لئے بہت بہترین پائے گئے ہیں۔ مگر اس عرصہ میں اب تک حکومتوں نے علاقہ کی مناسب سروے نہیں
کارخانہ نہیں قائم کیا جبکہ وہاں سے حکومت کو بہت بڑی آمدنی ہو سکتی تھی۔ تو اس طرح اس علاقے کا
روے کیا جائے، معدنیات کا اندازہ لگایا جائے۔ اسی طرح مانکی اور نوشہرہ کے اردگرد ہزاروں ایکڑ
اضی چاندماری (نشانہ بازی) کی وجہ سے ترکی ہوئی ہے۔ بے کار پڑی رہتی ہے۔ انگریزوں کے دور سے
زمین، اسکان کاشت کے لئے استعمال نہیں کر سکتے نہ ان کو صحیح معاوضہ ملتا ہے۔ تو ہم نے بارہا حکومت
ے مطالبہ کیا کہ خدارا ان لوگوں کو صحیح شرح پر معاوضہ دیں چند پیسے ان کو فی ایکڑ جو ملتے تھے وہ بھی
سالہا سال سے ان کو نہیں دئے گئے۔

ڈاکٹر چیئرمین صاحب :- مولانا آپ صوبائی مسئلہ کو چھیڑ رہے ہیں۔

مولانا سمیع الحق صاحب :- جناب یہ وفاقی مسئلہ ہے۔ فوج نے فوجی مقاصد کیلئے اس رقبہ کو گھیرا
وا ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ چاندماری (نشانہ بازی) ہوتی رہے۔ دفاع کے لئے ہماری جان بھی حاضر ہے۔
رمن غریب لوگوں کی زمینیں یہاں بے کار پڑی ہوئی ہیں جو مفلوک الحال لوگ ہیں۔ ان کو یا تو مناسب
عاوضہ مقرر کیا جائے یہ نہ ہو تو یہ زمینیں ان سے صحیح قیمتوں پر خرید لی جائیں اور ان کو معاوضہ دیا جائے۔
لوگ کب تک چیختے چلاتے رہیں گے۔

تیسری جو بات میں عرض کرنا چاہتا تھا ———

جناب چیئرمین صاحب :- بڑی نوازش۔ بڑی نوازش مولانا۔

مرحبا ۔ مقدس سرزمین آپکو خوش آمدید کہتی ہے
فریضہ حج کی ادائیگی ہر مسلمان کے لئے، جو جسمانی اور مالی اعتبار سے
اس مقدس سفر کا اہل ہو، لازمی ہے۔
لیکن حج کا وقت معین ہے۔ عمرہ، چھوٹے حج کی سعادت سال کے باقی
عرصہ میں حسب خواہش حاصل کی جاسکتی ہے۔ سفر عمرہ کے دوران
میں آپ مکہ معظمہ اور اس کے جوار میں مقاماتِ مقدسہ کی
زیارت زیادہ سہولت کے ساتھ بار بار کرسکتے ہیں۔
اور مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کی زیارت سکونِ قلب کا سرچشمہ ہے۔
آیئے۔ ہم آپ کو سفر عمرہ و زیارت کے لئے مقدس ماحول میں جدہ لئے
چلتے ہیں۔ جو مکہ معظمہ کی دہلیز ہے اور جدہ سے مدینہ منورہ کی
مسافت صرف پچیس منٹ کی پرواز سے طے ہوتی ہے۔
ہمارے دفاتر:
یا ایاٹا کی منظور شدہ کسی ٹریول ایجنسی سے رجوع کریں۔
السعودية
سعودی عرب ایرلائنز
آپ کے لئے چشم براہ
SAA.2.82.U

از جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمان صاحب

قانون شہادت ایکٹ مجریہ ۱۸۷۲ء کے بارے میں چند معروضات

اسلام کا شرعی قانون تقریباً تیرہ سو سال تک نسلاً بعد نسلاً کروڑوں اہل ایمان کی زندگیوں میں نافذ رہا ہے۔ اور یہ
چودھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسوی) کی بات ہے۔ کہ مسلمانان عالم مغرب کی سامراجی طاقتوں سے مغلوب ہو
ندگی کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر بدلا۔ نقطۂ نظر کی یہ تبدیلی مسلمانوں کے قانونی تصورات میں تبدیلی کا سبب
یہاں تک کہ زیر استعمار تقریباً تمام ممالک (مسلمان) میں الہامی قانون کی جگہ لادینی قانون نے لے لی۔ اور بالآخر
معاشرے کا پورا سماجی اور اخلاقی ڈھانچہ اس تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

برصغیر پاکستان و ہند کی آزادی کے بعد بجا طور پر یہ توقع کی جاتی تھی کہ پاکستان کی نوزائیدہ اسلامی ریاست
یہ طرز عمل بدل جائے گا۔ لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ ہمارا نقطۂ نظر پہلے سے بھی زیادہ مغربی اور مادی ہو گیا۔

گو مسلمانان پاکستان کے عمومی دباؤ کے سبب یہاں کی لادینیت پسند قوتیں اس ریاست کی اسلامی خصوصیات
معدوم کرنے میں ناکام رہیں۔ لیکن ۱۹۷۷ء سے پہلے کسی حکومت کے لیے یہ ممکن نہ ہو سکا کہ وہ پاکستانی معاشرے کو
لامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے ضروری اقدامات بروئے کار لائے۔ موجودہ حکومت نے اپنی اس اہم ذمہ داری سے
ہ برآ ہونے کے لیے پیش قدمی کی۔ اور چونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے قانون اور مذہب میں گہرا ربط پایا جاتا ہے اس لیے
سانی قوانین کو اسلامی احکام و قواعد کے مطابق مرتب و مدون کرنے کے لیے بھی اپنی کوششوں کا آغاز کیا۔

آئین پاکستان ۱۹۶۲ء کے آرٹیکل ۲۰۴(۱)(الف) اور ۱۹۷۳ء کے موجودہ آئین کے آرٹیکل ۲۳۰(۱) کے تحت
امی نظریاتی کونسل کو یہ فریضہ سونپا گیا ہے کہ وہ تمام موجودہ قوانین کا جائزہ اس نقطۂ نظر سے لے کہ انہیں کس طرح
مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کردہ اسلامی احکام کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ کونسل اپنی اس عظیم
داری کو پورا کرتے ہوئے ان تمام قوانین کا جائزہ لے رہی ہے جو اس وقت ملک میں نافذ العمل ہیں۔ کونسل کے مدون
قوانین حدود حکومت نے بعض تبدیلیوں کے ساتھ ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو نافذ کر دیے اور اس کے ساتھ ہی مجموعہ

تعزیرات پاکستان ۱۸۶۰ء کی متعلقہ غیر اسلامی دفعات بھی منسوخ کردیں۔

اسی طرح کونسل نے قانون قصاص و دیت کا مسودہ تیار کرکے اس سفارش کے ساتھ حکومت کی خدمت میں پیش کر دیا کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان مجریہ ۱۸۶۰ء کی بعض دیگر متعلقہ دفعات منسوخ کردی جائیں۔ کونسل نے حق شفعہ کے متعلق بھی ایک نیا مسودہ قانون تیار کرکے حکومت کو بھیج دیا ہے۔ جس میں سفارش کی گئی ہے کہ پنجاب کا موجودہ قانون حق شفعہ مجریہ ۱۹۱۲ء اور صوبہ سرحد کا قانون حق شفعہ مجریہ ۱۹۵۰ء منسوخ کر دیا جائے۔ کونسل کا تیار کردہ احترام رمضان کا قانون منظور کرکے ۲۵ رجون ۱۹۸۱ء کو نافذ کیا۔ کونسل ان کے علاوہ اور بھی بہت سے قوانین کا جائزہ لے کر ان کے متعلق ضروری سفارشات حکومت کو پیش کر چکی ہے۔

۵۔ کونسل نے ۱۸۷۲ء کے شہادت ایکٹ کا بھی جائزہ لیا۔ اور فیصلہ کیا کہ قرآن و سنّت میں بیان کردہ اسلامی احکام کے مطابق ایک نیا قانون شہادت مدون کیا جائے۔ جس پر قدیم مسلمان علماء اور فقہاء نے بڑی محنت اور کد و کاوش کی ہے۔ اور جسے پوری امت مسلمہ نہایت قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

۶۔ تاہم اس معاملے میں ماہرین کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ ۱۸۷۲ء کے موجودہ شہادت ایکٹ میں ضروری ترامیم سے وہ مقصد پورا ہو جائے گا۔ جو ہمارے سامنے ہے در آں حالیکہ اس کا اطلاق فوجداری حدود پر نہ کیا جائے۔ جب کہ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ زیر عمل شہادت ایکٹ میں ترمیمات سے کوئی مفید مقصد پورا نہ ہو گا۔ اسلامی نظریاتی کونسل دوسرے نقطہ نظر کی حامی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ مناسب ہو گا کہ شہادت کا ایک جامع اسلامی قانون مدون کیا جائے جس کا اطلاق تمام عدالتی کارروائیوں پر ہو۔ خواہ وہ دیوانی ہوں یا فوجداری اور خواہ ان کی سزا کوئی حد ہو یا قصاص یا تعزیر۔ یہ طریق کار جدید قانون سازی کے اصولوں سے بھی ہم آہنگ ہو گا۔ جسے بارٹلے کہتا ہے:۔

"جب کسی قانون میں بہت سی ترامیم کی تجویز پیش کی جائے تو ہمیشہ یہ سوچنا مناسب حال ہوتا ہے کہ آیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ اصل قانون کو منسوخ کرکے مجوزہ ترامیم کے مطابق نیا قانون وضع کیا جائے اس طریق کار سے ایک تو قانون کتاب کی ضخامت کم رہتی ہے اور دوسرے قانون ان لوگوں کے لئے آسان ہو جاتا ہے جو قانون نافذ کرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں دو کے بجائے صرف ایک دستاویز کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس کا ایک مزید فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پورا قانون ایک وقت میں ایک ہی تاثر دیتا ہے۔"

(قانون تعبیرات عمومی ص ۱۴۵)

۷۔ یہاں اس حقیقت کا اظہار غالباً مناسب خیال نہ کیا جائے گا کہ ۱۸۷۲ء کے قانون شہادت کی دفعات انگریزی قانون شہادت سے اخذ کی گئی ہیں۔ اس قانون کی اکثر دفعات شہادت کے امر واقعہ سے متعلق ہونے یا نہ ہونے

سے بحث کرتی ہیں۔ لیکن اس میں قرآن وسنّت پر مبنی قانون شہادت کے بہت سے اہم پہلوؤں کا کوئی ذکر نہیں ہے جو فقہ کی کسی بھی معیاری کتاب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

مسٹر ایچ اے آر گب کے بقول :-

"مسلم علماء اور فقہائے قانون کا ایک ایسا ڈھانچہ تشکیل دیا ہے جو منطقی تکمیل کے نقطہ نظر سے انسانی استدلال کی ممتاز ترین کوشش ہے۔" (محمڈن ازم ۱۹۵۹ء ص ۹۰)

۸۔ یہ بات بآسانی معلوم کی جاسکتی ہے کہ انگریزی قانون عامہ پر مبنی موجودہ قانون شہادت اور قرآن مجید و سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی اسلامی قانون شہادت کے تصورات میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر۔

الف۔ انگریزی قانون عامہ کے مطابق ہر شخص خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، عادل ہو یا غیر عادل، گواہی دینے کی اہلیت رکھتا ہے جب کہ اسلامی قانون کی رو سے اس کی صداقت و دیانت کے متعلق بعض مخصوص شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ خواہ وہ کسی ایسے مقدمے میں شہادت دے جو مستوجب سزائے حد ہو یا اس کی سزا قصاص یا تعزیر ہو سکتی ہو۔ یا وہ کسی دیوانی مقدمے میں گواہ ہو جو مالی معاملات سے تعلق رکھتا ہو یا اس کے سوا کوئی اور غیر مالی معاملہ ہو ملاحظہ ہو :-

قرآن مجید کی آیت " واشهدوا ذوی عدل منکم "

ترجمہ :- اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ ٹھہرا لو۔ (الطلاق - ۲)

ب۔ انگریزی قانون عامہ کے مطابق مقدمات کی کسی خاص قسم کے لئے گواہوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں کی جب کہ اسلامی قانونِ شہادت کی رُو سے قریباً تمام اقسام کے مقدمات میں گواہوں کی کم از کم تعداد مقرر ہے خواہ وہ مقدمات فوجداری ہوں یا دیوانی۔ حوالے کے لئے ملاحظہ فرمایئے قرآن مجید کی آیات ذیل پر

الف۔ والتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم

ترجمہ۔ اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر چار آدمی اپنے میں سے گواہ کر لو۔ (النساء ۱۵)

ب۔ یایها الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین .... واستشهدوا شهیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامراٰتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احدهما فتذکر احدهما الاخری

ترجمہ۔ اے ایمان والو! جب ادہار کا معاملہ کرنے لگو .... تو اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو تاکہ ان دو عورتوں میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے۔ اگر کوئی ایک ان دو میں سے بھول جائے۔ (البقرہ ۲۸۲)

ج انگریزی قانون عامہ کی رو سے مقدمات کی کسی نوع میں بھی گواہوں کے درمیان اس پہلو سے کوئی امتیاز نہیں

کہا جاتا کہ وہ مرد ہیں یا عورت۔ لیکن اسلامی قانون بعض خاص قسم کے مقدمات میں جنس کے امتیاز کو تسلیم کرتا ہے جیسے حدود اور قصاص کے مقدمات ۔ ملاحظہ ہو درج ذیل آیت اور حدیث ۔

الف ۔ فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم

ترجمہ ۔ ان (عورتوں) پر اپنے میں سے چار آدمی گواہ کر لو" (النساء ۱۵)

اس آیت میں منکم سے مردوں ہی کو مخاطب کیا گیا ہے ۔

ب ۔ مضت السنۃ من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتین من بعدہ ان لا شھادۃ للنساء فی الحدود والقصاص ۔

ترجمہ ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد دو خلفاء کے زمانے سے یہ سنت چلی آ رہی ہے کہ حدود اور قصاص کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی نہیں ۔ (اسے ابن شیبہ نے اپنی کتاب "مصنف" میں روایت کیا ہے ۔

د ۔ جہاں تک گواہ کے عادل ہونے کا تعلق ہے ۔ اسلامی قانون کی رو سے بعض مقدمات میں اس کا ماضی اور گزشتہ طرز عمل بھی برمحل ہے ۔ جیسا کہ وہ شخص جس پر حد قذف جاری ہو چکی ہو گواہ بننے کی اہلیت نہیں رکھتا جب کہ انگریزی قانون عامہ کی رو سے گواہ پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہوتی ۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے ۔

والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعۃ شھدآء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا ۔

ترجمہ ۔ اور جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ نہ لا سکیں تو انہیں اسی (۸۰) درے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو ۔ (النور ۔ ۴)

ہ ۔ ایک سنہرا اصول جو حدیث " البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر " میں پیش کیا گیا ہے یہ ہے کہ بار ثبوت مدعی پر ہے ۔ اور قسم انکار کرنے والے پر ۔ اس اصول کا اطلاق حدود کے علاوہ فوجداری اور دیوانی دونوں قسم کے مقدمات پر ہوتا ہے ۔ لیکن شہادت ایکٹ مجریہ ۱۸۷۲ء اس اصول سے بالکل عاری ہے ۔

و ۔ اسلامی قانون میں بعض مخصوص قواعد و ضوابط ایسے ہیں جن کے مطابق مقدمے کی سماعت کے دوران میں، اس کے بعد فیصلے سے پہلے یا فیصلے کے بعد گواہ کے اپنی شہادت سے رجوع کرنے کی صورت میں گواہ اور فریقین مقدمہ کے معاملات پر بعض اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔ لیکن موجودہ شہادت ایکٹ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ۔

ز ۔ اسلامی قانون میں اقبال و اعتراف جسے اقرار کہا جاتا ہے کے طے شدہ ضوابط موجود ہیں ۔ اقرار بذات خود زیر تصفیہ واقعہ کے بارے میں قطعی ثبوت (حجت قاطعہ) ہوتا ہے ۔ لیکن شہادت ایکٹ ۱۸۷۲ء کی رو سے

یہ ایک امر مانع تقریر مخالف ESTOPPLE ہے۔

ح ۔ اسلام کے قانون شہادت میں "تمزکیۃ الشہود" کے متعلق بھی دفعات پائی جاتی ہیں ۔ جب کہ موجودہ قانون شہادت اس سے خالی ہے ۔ ہماری عدالتیں ان اصولوں کو عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق مناسب تبدیلیوں کے بعد اپنا سکتی ہیں ۔ اور قانون شہادت میں ان سے متعلق ضروری دفعات شامل کی جاسکتی ہیں ۔ حوالے کے لئے ملاحظہ ہو (المبسوط مصنف امام سرخسی جلد ۱۶ صفحات ۸۸-۹۳)

ط ۔ بعض حلقوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے غالباً عدم واقفیت ہی ہو سکتی ہے ۔ کہ اسلامی قانون قرائنی شہادت ، دستاویزی شہادت اور طبی شہادت کو تسلیم نہیں کرتا ۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی قانون شہادت میں اس مقصد کے لئے بہت سے اصول موجود ہیں (حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو امام سرخسی کی کتاب "المبسوط" جلد ۱۶ صفحات ۱۵۷، ۱۵۵)

ی ۔ اسلامی قانون کے مطابق اگر کسی گواہ سے عدالت یا کوئی فریق مقدمہ یہ مطالبہ کرے کہ وہ عدالت میں آ کر گواہی دے تو اسے یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ گواہی نہ دے ۔

الف ۔ "ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ"

ترجمہ ۔ اور گواہی کو مت چھپاؤ اور جو کوئی اسے چھپائے گا اس کا قلب گنہگار ہو گا (البقرہ ۲۸۳)

ب ۔ "ولا یاب الشہداء اذا ما دعوا"

ترجمہ ۔ اور گواہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں (البقرہ ۲۸۲)

ج ۔ "ولا تکن للخائنین خصیما"

ترجمہ ۔ اور خائنوں کے طرفدار نہ ہو جائے (النساء ۔ ۱۰۵)

د ۔ "کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ"

ترجمہ ۔ انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو ۔ (النساء ۱۳۵)

تاہم ایک حدیث کی رو سے گواہ کو مقدمات حدود میں یہ اختیار حاصل ہے کہ جب تک عدالت یا کوئی فریق مقدمہ اسے گواہی کے لئے طلب نہ کرے وہ چاہے تو گواہی دے چاہے نہ دے تاکہ مسلمان کے عیب پر پردہ پڑا رہے ۔

ک ۔ ۱۸۷۲ء کے شہادت ایکٹ میں کوئی ایسی مؤثر رکاوٹ موجود نہیں جو گواہ کو جھوٹی گواہی دینے سے روک سکے جب کہ اسلامی قانون جھوٹی گواہی دینے والے کے ساتھ سختی سے نمٹتا ہے ۔ اسلامی نظام کے مطابق جس عدالت کے روبرو جھوٹی گواہی دی گئی ہو خود اسے یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ جھوٹی گواہی دینے والے کو سزا دے سکے ۔ جب کہ موجودہ نظام کے تحت وہ عدالت مجسٹریٹ کی عدالت میں صرف استغاثہ داخل کر سکتی ہے ۔

۹- اسلام کا قانون شہادت تیرہ سو سال سے وقت کے تقاضوں پر پورا اترتا رہا ہے اور یہ مہذب دنیا کے اکثر حصوں پر مسلمانوں کی حکمرانی کے پورے دور میں نافذ العمل رہا ہے۔

ایک مغربی مستشرق کے الفاظ ہیں۔

"تیرہ سو سال گزرنے کے بعد آج بھی شریعت اسلام کے مقدس قانون نے نسلاً بعد نسلاً کروڑوں مسلمانوں کی زندگیوں پر حکمرانی کی ہے۔ اور یہ عظیم نظام قانون ابھی تک مشرق و مغرب کے محققین اور فقہا کے محتاط مطالعے کا موضوع ہے"

(ایڈرسن کی کتاب "اسلامک لا اینڈ دی ماڈرن ورلڈ) پر ڈاکٹر سبا ہپاچی کا تعارف ص ۹)

یہ قانون اب بھی سعودی عرب، اردن، عراق، متحدہ عرب امارات اور اسلامی دنیا کے متعدد حصوں میں نافذ العمل ہے

۱۰- یہ صرف بیسویں صدی عیسوی کی بات ہے کہ مختلف اسلامی ممالک پر نوآبادیاتی طاقتوں نے اپنے دور حکمرانی میں اسلام کے قانون شہادت کو بدل کر وہاں اپنا قانون شہادت نافذ کیا جس کی بنیاد تصور انصاف (Justice equity and good conscience) نصفت اور حسن نیت پر رکھی گئی ہے۔ برصغیر پاک وہند میں یہ قانون ہمارے پرانے برطانوی آقاؤں کی چھوڑی ہوئی میراث ہے۔

۱۱- آخر میں مناسب ہوگا کہ مرحوم جسٹس حمود الرحمن سابق چیف جسٹس آف پاکستان و سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کا اقتباس پیش کیا جائے۔ جو انہوں نے بیرون ملک ایک کانفرنس میں پیش کیا تھا۔ موجودہ قانونی نظام کو اسلامی شریعت سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ضروری تبدیلیوں کی وکالت کرتے ہوئے مرحوم نے ارشاد فرمایا:-

"بنیادی تبدیلی جو بروئے کار آنی چاہیئے یہ ہے کہ کوئی ایسا طریقہ تلاش کیا جائے جس کے ذریعے جھوٹی گواہی پیش کرنے کی لعنت کو ختم کیا جا سکے۔ جھوٹی قسم کھانے والے کو سزا دینے کا موجودہ طریق کار اتنا بوجھل اور دیر طلب ہے کہ عدالتیں عموماً اسے اختیار کرنے سے گریز کرتی ہیں۔ چنانچہ میری تجویز ہے کہ اس صورت حال کو ختم کرنے کے لئے اسلامی اصول اپنایا جائے۔ اور جو شخص جھوٹی گواہی دے اس کے متعلق اعلان کر دیا جائے کہ وہ آئندہ کسی مقدمے میں گواہی نہ دے سکے۔ اور ایسے گواہ کا باقاعدہ ایک رجسٹر رکھا جائے اور جس عدالت کے روبرو جھوٹی گواہی دی جائے اسے بھی یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ جھوٹی گواہی یا قسم کھانے والے کو سزا دے سکے نہ یہ کہ اسے صرف "جیسا کہ موجودہ قانون میں کہا گیا ہے" شکایت داخل کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ اگر یہ طریق کار اپنا لیا گیا تو ہمیں پیشہ ور گواہوں کے گروہ سے نجات مل جائے گی۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ گواہ سے حلف قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر لیا جائے نہ کہ موجودہ معمول کی طرح محض اقرار صالح کی صورت میں۔ نیز دیوانی مقدمات میں مدعا علیہ اور فوجداری مقدموں میں

ملزموں سے بھی حلف لینا چاہیے ۔ مزکّی کا عہدہ از سرِ نو قائم کیا جائے تاکہ جن لوگوں کو عدالت میں گواہی کے لئے طلب کیا جائے ان کا ریکارڈ رکھا جا سکے ۔ اور ان کے کردار اور شہرت کے بارے میں مقامی طور پر تحقیقات ہو سکے ۔ اس صورت میں ججوں کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ گواہوں کی دی ہوئی شہادت کی صحیح قدر و قیمت متعین کر سکیں ۔ نیز مجرموں پر جرح کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے ۔ یہ طریقہ ایسا ہے کہ برطانیہ میں بھی اس پر عمل ہو رہا ہے ۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہوگا کہ قانون شہادت کو اسلامی قانون شہادت سے ہم آہنگ کیا جائے ۔ اگر ہمارے موجودہ عدالتی نظام میں یہ تبدیلیاں بروئے کار آجائیں اور ہمارے جج صاحبان اسلامی فقہ اور اصول فقہ یعنی اسلامی اصول قانون سے ضروری واقفیت بہم پہنچا لیں تو ہمارا موجودہ عدالتی نظام اسلامی شریعت کو اطمینان بخش طریقے پر نافذ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا ۔

(حوالے کے لئے دیکھئے سید شریف الدین پیرزادہ اٹارنی جنرل پاکستان کا خطاب ، جو انہوں نے جسٹس حمود الرحمن کی وفات حسرت آیات کے موقع پر سپریم کورٹ آف پاکستان کے فل کورٹ ریفرنس منعقدہ کراچی ۱۰ر جنوری ۱۹۸۲ء سے کیا)

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ۳ر اپریل ۱۹۸۲ء کو مجلس شوریٰ کے سامنے قانون شہادت کے بارے میں فرمایا کہ " موجودہ قانون شہادت کو اسلامی قوانین کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے ۔ انہوں نے کہا کہ اس ضمن میں دو آرا سامنے آئی ہیں ۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ موجودہ قانون شہادت اینگلو سیکسن قوانین پر مبنی ہے ۔ ترامیم کے ذریعے اس کو اسلامی نہیں بنایا جا سکتا ۔ اس کو مکمل طور پر ختم کر کے اسلامی قانون شہادت نافذ کیا جائے ۔ مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں سے اسلام کے منافی نکات کو نکال دیا جائے ۔

(روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی مورخہ ۴ر اپریل ۱۹۸۲ء صفحہ ۹ - کالم ۳) لہٰذا ماہرین قانون اور شریعت کو چاہیئے کہ وہ اس موضوع پر غور و فکر کریں اور اظہار رائے فرمائیں ۔

شراکت کی بنیاد پر اسلامی اصولوں کے مطابق کاروبار شروع کرنیوالا پہلا قومی ادارہ

امانیہ قومی سرمایہ کاری

این آئی ٹی

این آئی ٹی، یونٹوں پر اور بھی بہتر اور ہمیشہ سے بڑھکر منافع پیش کرتا ہے

● امانیہ قومی سرمایہ کاری (نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ) جس نے اسلامی طریقہ کار کے مطابق سب سے پہلے شراکت کی بنیاد پر کاروبار کا آغاز کیا تھا، خدا کے فضل و کرم سے اپنے غیر سودی کاروبار کا دوسرا سال بخیر و خوبی مکمل کر لیا ہے۔

● این آئی ٹی نے سال ۸۱-۱۹۸۰ء کیلئے ۳۵ء۱ روپے فی یونٹ کی شرح سے منافع کا اعلان کیا ہے۔ یہ منافع این آئی ٹی کی ابتدا سے اب تک دیا جانے والا سب سے زیادہ منافع ہے۔

● ٹرسٹ کو ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۱۱۸ء۵ ملین روپے کی آمدنی ہوئی جو پچھلے سال کے مقابلہ میں ۱۵ء۴ ملین روپے یا ۱۵ فیصد زیادہ ہے۔

● حصص کے منافع کی آمدنی میں بھی ۲۳ ملین روپے یا ۲۶ فیصد کا اضافہ ہوا۔

● ٹرسٹ کی سرمایہ کاری کی مالیت اصل قیمت کے مطابق ۱۰۰۸ ملین روپے اور موجودہ قیمت کے لحاظ سے ۱۰۹۰ ملین روپے رہی اسطرح اثاثوں کی مالیت میں ۵۲ ملین روپے کا اضافہ ہوا۔

● ۳۵ء۱ روپیہ فی یونٹ کے منافع سے یونٹ پر منافع کی شرح ۹۵ء۱۱ فی صد بنتی ہے جبکہ ۸۲-۱۹۸۱ء کے لئے حکومت سے منظور شدہ کم از کم شرح منافع ۴۰ء۱ روپے فی یونٹ سے یونٹ پر شرح منافع ۴۳ء۱۲ فی صد بنتی ہے۔ یونٹ پر حکومت کی منظور شدہ کم از کم شرح منافع اسلامی نظریاتی کونسل سے توثیق شدہ ہے اور غیر سودی کاروبار کے اصولوں کے مطابق ہے۔

منافع کے علاوہ یونٹ پر ٹیکس کی مراعات بھی حاصل رہینگی۔

این آئی ٹی یونٹ خرید کر
ملکی خوشحالی کے فروغ میں حصہ لیجئے

PID : 18/81

United

حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی صدیقی مدظلہٗ ۔ کراچی

انسانِ کامل

حضورِ اقدس ﷺ کی بے نظیر کامیابی

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں انہی کے جسم سے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا۔ پھر ان دونوں کے درمیان ازدواجی تعلق قائم فرمایا۔ دنیا میں جتنے انسان گذر چکے ہیں اور جو موجود ہیں نیز جو قیامت تک پیدا ہوں گے وہ سب حضرت آدم علیہ السلام ہی کی اولاد اور انہی کی نسل سے ہیں۔ آدمی کرۂ ارض کے مختلف حصوں میں آباد ہیں۔ اور ان کے درمیان جسمانی، فکری، مزاجی، اخلاقی اور مختلف اعتبارات سے بہت اختلاف ہے۔ ان میں قوی، ضعیف، کالے گورے، ذہین، غبی، عالم، جاہل، مومن، کافر سب ہی موجود ہیں۔ ان کے مختلف افراد اور مختلف گروہوں کے درمیان اس قدر اختلافات ہیں کہ جن کا استقرا غیر ممکن ہے۔ بلکہ غور کیجئے تو نظر آئے گا کہ ہر فردِ انسانی ایک مخصوص نوع ہے جس کا مصداق صرف ایک ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ وہ دینِ اسلام کے معلم اور مبلّغ تھے۔ آنحضرتؑ نے اپنی اولاد کو دینِ اسلام ہی کی تعلیم دی۔ اور مدت دراز تک اولادِ آدم علیہ السلام کا دین ایک ہی رہا۔ یعنی سب کے سب مسلم تھے۔ حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام کے انتقال کے بعد ان کی اولاد کرۂ ارض پر پھیل گئی۔ اور مختلف گروہ زمین کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔ جب کئی پشتیں گذر گئیں اور زمان و مکان کے بکثرت حجابات بیچ میں حائل ہوگئے تو رفتہ رفتہ آنحضرتؑ کی تعلیم کے نقوش ذہنوں میں دھندلے پڑ گئے۔ پھر ماحول، نفسی کمزوریوں اور ابلیس و ذریتِ ابلیس کے اثر سے بالکل ہی محو ہوگئے۔ اختلافِ ملل و مذاہب کا یہی نقطۂ آغاز ہے۔ صراطِ مستقیم سے بھٹک کر لوگوں نے مختلف راہیں اختیار کرلیں۔ کرۂ ارض پر مذاہبِ باطلہ کی تاریخ اس دور سے شروع ہوتی ہے جب کہ اسلام کی تاریخ فرشِ زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کے مبارک قدم رکھنے کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ   سب آدمی ایک ہی طریقے کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے

الحق

النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (بقرہ پ۲ ع)

پیغمبروں کو بھیجا جو خوشخبری سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں۔ اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ ان کے امور اختلافیہ میں فیصلہ فرما دیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بھی انبیاء مبعوث ہوئے اور انہوں نے بھی اولاد آدم علیہ السلام کی تربیت فرمائی۔ پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ کوئی نبی موجود نہ تھا اور انسانوں کے مختلف گروہ اختلاف عقائد و اعمال میں مبتلا ہو گئے۔ لہٰذا پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں۔ تاکہ اختلاف کا فیصلہ ہو کر حق واضح ہو جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مستقبل میں انہیں تاج خلافت سے سرفراز کرنے کی خبر فرشتوں کو سنائی۔ ارشاد ہوا۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (بقرہ) تحقیق میں زمین پر ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔

پھر فرشتوں پر ان کی فضیلت علمی اور اپنی بارگاہ عالی میں ان کا درجۂ قرب ظاہر فرما کر ملائکہ سے ان کے کمال اور ان کی فضیلت کا اعتراف بصورت سجدہ کرایا۔ نیز اس منصب کے ساتھ ان کی مناسبت خاص واضح فرما دی۔ بالآخر انہیں اپنا خلیفہ مقرر فرما کر زمین پر اتار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو وحی حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ آں حضرت نے اس کی تبلیغ و تعلیم اور اس میں مندرجہ احکام کی تنفیذ فرمائی۔ خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کے یہی معنی ہیں۔ آں حضرتؑ کی اولاد میں بکثرت انبیاء علیہم السلام ہوئے اور ہر ایک نے یہی کام کیا۔

نبی کے سوا کوئی خلیفۃ اللہ نہیں ہوتا

کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کا خلیفہ کہنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اصل شخص سے براہِ راست کسی کام کو معلوم کر کے اس کی مرضی کے مطابق انجام دے۔ اس کے پیش نظر خلیفۃ اللہ اس ہستی کو کہیں گے جو اللہ تعالیٰ سے براہ راست علم و احکام حاصل کر کے ان کی تبلیغ و تنفیذ کرے۔ یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسانوں میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ شانہ سے براہ راست علم و احکام نہیں حاصل کر سکتا۔ وحی الٰہی بنی نوع انسان میں حضرت انبیاء و مرسلین ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی کو صاحب وحی کہنے کے معنی اسے نبی کہنے کے ہیں علیٰ ہذا نبی اسی کو کہتے ہیں جو صاحب وحی ہو۔ یعنی اسے دین و شریعت کا علم براہِ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوا ہو۔ اس لئے "نبی" کے سوا کوئی "خلیفۃ اللہ فی الارض" نہیں ہو سکتا۔ ہر انسان یا ہر مسلمان کو خلیفۃ اللہ فی الارض کہنا بالکل غلط ہے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے پوری نوع انسانی کو بحیثیت نوع یہ شرف حاصل ہوا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر فرد اس منصب جلیل پر فائز ہے۔

اس شرف کی مثال ایسی ہے کہ ہندوستان پر مغل حکمران رہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر مغل فرماں روا

ہو گیا تھا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مغل قوم کو حکومت حاصل ہوئی تھی۔ یعنی اس کے چند افراد صاحب تخت و تاج ہوئے مگر ان کی وجہ سے شرف پوری قوم کو حاصل ہوا۔

کمال انسانیت کی حقیقت کسی چیز کو کامل اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اپنی تخلیق اور پیدائش کا اصل مقصد پورا کرتی ہے۔ کامل غذا وہ ہے جو بدن کے جملہ تحلیل شدہ اجزا کا بدل ہو سکے۔ کسی مرض کی کامل دوا اس دوا کو کہتے ہیں جو اسے پورے طور پر دفع کر سکے۔ غذا کیسی ہی لذیذ ہو مگر تحلیل شدہ اجزائے بدن کی تلافی نہ کر سکے۔ یا صرف بعض کا بدل ہو سکے تو اسے کامل غذا نہیں کہہ سکتے۔ جس دوا سے مرض پورے طور پر زائل اور صحت کلی حاصل ہونا ممکن نہ ہو اسے دوائے کامل نہیں کہا جا سکتا۔ خواہ وہ کتنی ہی خوشگوار کیوں نہ ہو۔ اس طرح انسان کامل اس کی جسامت، جسمانی صحت و قوت، ذہانت و مطانت کے کمال کا نام نہیں بلکہ انسان کامل وہ ہے جو اپنی تخلیق اور اپنے وجود کے مقصد کو پورا کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کرنے ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

انسان کے وجود اور اس کی تخلیق و پیدائش کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرے۔ جس کے لئے اطاعت لازم ہے اور معرفت جس کا ثمرہ ہے پھر یہاں عبادت کے معنی مخصوص ہیئات و اذکار تک محدود نہیں بلکہ پوری زندگی اور زندگی کے ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بنا لینا مراد ہے۔ اسی کی تعلیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور سب انبیاء کے آخر میں خاتم النبیین افضل المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اس لئے ہر زمانہ میں اپنے زمانہ کے نبی کی اتباع اور پیروی ہی اس مقصد کے حصول کا ذریعہ رہی۔ اور خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے سوا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔

اس سے واضح ہو گیا کہ انسان کا کمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی ہے۔ جو شخص آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرے وہی کامل انسان ہے۔

انبیاء علیہم السلام کامل ترین انسان ہونے کے ساتھ کامل گر بھی تھے۔ بلکہ عام انسان کو ان کے کمال مطلوب تک پہنچانا ہی ان کا مقصد بعثت تھا جس میں وہ کامیاب ہوئے اور انہوں نے لاکھوں کامل بنا دیا۔ آخری نبی خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا ہزاروں کو کامل بنا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب، اپنی سنت کے ساتھ ایک لاکھ سے زائد کامل انسان بطور نمونہ و معیار چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے۔ قیامت تک ہونے والا ہر مومن صحابہ کرامؓ کے نمونہ کے مطابق کتاب و سنت کی اتباع کامل کر کے انسان کامل بن سکتا ہے۔ چنانچہ ہر صحابی رضی اللہ عنہ کامل انسان تھے اور ان کے

بھی اس امت میں لاکھوں کروڑوں کامل انسان ہوئے اور ہوتے رہیں گے جنہیں ہم اولیاء اللہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں
اہل ایمان کو کامل انسان بنانے کا وصف ہر نبی علیہ السلام میں موجود تھا۔ لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ
وصف عالی سب سے زیادہ تھا۔ اور بلاشبہ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سب انبیاء و مرسلین سے زیادہ اس
مقصد میں کامیاب ہوئے۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجتمع صحابہ لیبزان کے ہر فرد کو انسان کامل بنا دیا۔ اور ایسا کامل بنایا کہ ان کے کمال
انسانیت میں شک کرنے والا شخص کافر اور خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے کمال کی سند خود اللہ تعالیٰ نے
اپنے کلام مجید میں عطا فرمائی ہے اور انہیں

اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ — یہی لوگ (صحابہ کرام) بہترین خلائق ہیں

اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (البیّنۃ) — اللہ تعالیٰ ان سے (صحابہؓ سے) اور وہ (صحابہ) اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں۔

کا تمغہ عطا فرمایا۔

صرف اسی مقام پر نہیں بلکہ قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب اتنی کثرت و تکرار کے ساتھ بیان فرمائے
گئے ہیں کہ صرف ان آیات کو جمع کر کے مجتمع صحابہ اور ان کے دور کی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے مرتبہ کو تو کوئی غیر صحابی نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن نفس کمال انسانیت صرف ان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ البتہ
کمال کا ایک اعلیٰ درجہ انہی کے ساتھ مخصوص ہے اور کسی امتی کو نہیں حاصل ہو سکتا۔

اس درجہ علیا کو مستثنیٰ کر کے کمال کا ہر درجہ ہر مومن کو حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کتاب و سنت کی نور سے ہدایت
پا کر صحابہ کرام کے بعد بھی اس امت میں لاکھوں افراد کامل انسان بن چکے ہیں۔ اور آج بھی موجود ہیں۔ اسی طرح قیامت تک
ہوتے رہیں گے۔ اس لئے کسی فرضی کامل انسان کا انتظار فہم سلیم اور عقل سلیم سے تہی دستی کی علامت ہے بلکہ اس انتظار
لاحاصل کے بجائے خود کامل بننے کی کوشش کرنا چاہیے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر کامیابی

سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اصل مقصد بعثت ایک ہی
تھا۔ یعنی عبد و معبود کا تعلق استوار کرنا۔ اور یہی کمال انسانیت ہے۔ اس میں سب انبیاء و مرسلین علیہم السلام کامیاب
ہوئے۔ لیکن جو کامیابی خاتم المعصومین سیدنا و نبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی وہ اپنی جگہ بے نظیر
و بے مثال ہے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت سے ۲۳ سال کی قلیل مدت میں ایک ایسی نئی قوم اور امت
وجود میں آ گئی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے "خیر اُمّۃ" کا خطاب عطا فرمایا۔ جس کا ہر فرد ولی کامل اور ولایت عظمیٰ کے ایسے درجہ پر
فائز تھا جس پر ان کے بعد نہ اب تک کوئی فائز ہو سکا ہے۔ اور نہ قیامت تک کوئی فائز ہو سکتا ہے۔

تزکیہ و تکمیل کا عمل فرد تک محدود نہ تھا۔ معاشرے اور "مجتمع" کے تزکیہ اور اس کی تکمیل میں جو کامیابی افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی۔ وہ بھی بے نظیر و بے مثال ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیل مدت میں ایک پوری قوم ایسی تیار فرما دی جو بحیثیت قوم اور مجتمع بھی کامل تھی۔ اور بحیثیت انفرادی بھی اس کا ہر فرد کامل تھا۔

نظام کامل | کوئی مجتمع "اس وقت تک کامل نہیں کہا جا سکتا جب تک وہ ایک نظام کامل کا حامل نہ ہو۔ نبی الرحم خاتم المعصومین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک نئی امت تیار فرمائی۔ اور نظام کامل کے ساتھ ایک جدید مجتمع " وجود میں لائے۔ مکمل انصاف اور عدل کامل اس نظام کا اہم جزو ہے۔ سید العارفین صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل کامل کی تعلیم دی اور عملاً اسے قائم فرمایا۔

معاشرے میں جو عدل و انصاف سید العارفین صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا وہی عدل و انصاف کا حقیقی معیار ہے۔ عدل و انصاف اسی چیز کا نام ہے جو اس نمونہ کے مطابق ہو۔ اور اس معیار پر پورا اترے۔ جو اس کے مطابق نہ ہو وہ عدل و انصاف نہیں ہو سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم عدل و انصاف کا عملی ظہور نسبتاً وسیع پیمانہ پہ حضرات خلفائے راشدین کے عہد معدلت مہد میں ہوا۔ اس لئے وہ بھی عدل مسنون اور معیار انصاف ہے۔ جو عمل اس نمونہ کے خلاف ہو اسے عدل و انصاف نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ وہ یقیناً نا انصافی اور ظلم ہو گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اقامت عدل میں معاذ اللہ ناکام کہنا اور کسی مفروضہ مہدی سے اس میں کامیابی کی آس لگانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی اور کھلا کفر ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے صاف صاف ارشاد فرمایا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ (الحدید)

بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمائی تاکہ لوگ قائم ہوں عدل و انصاف پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ عدل قائم کرنا انبیا علیہم السلام کے مقاصد میں داخل تھا۔ اس لئے کسی نبی علیہ السلام کو اس مقصد میں ناکام سمجھنا ضلال مبین اور زندقہ ہے۔ چہ جائیکہ سید الانبیاء و افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ناکام کہنا۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقاصد بعثت میں سب انبیا علیہم السلام سے زیادہ کامیاب ہوئے۔ عدل و انصاف کا کمال یہی ہے کہ وہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کئے ہوئے نمونے کے مطابق ہو۔ بلکہ عدل و انصاف اسی کا نام ہے جو طریقہ خاتم المعصومین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طریقے کے مطابق نہ ہو۔ وہ عدل و انصاف کے نام سے موسوم ہونے کا قطعاً مستحق نہیں ہو سکتا۔

❋❋❋❋❋❋❋
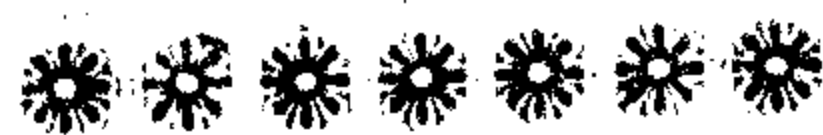
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

قسط ۱

ڈاکٹر احمد خان صاحب - ادارہ تحقیقات اسلامی - اسلام آباد

اسلام اور مستشرقین

اعظم گڑھ میں سیمینار کی روئداد

شبلی اکیڈمی جو درحقیقت اس دور میں بوریہ نشینوں اور بے لوث خدمت گذاروں کی کُٹیا ہے اسے دیکھنے کی تمنا گذشتہ تیس سال سے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ اچانک اس سال جنوری میں ہندوستان کے علمی حلقوں کی طرف سے خبر آئی کہ یہ علمی ادارہ ۲۱ تا ۲۳ فروری اسلام اور مستشرقین پر ایک سیمینار منعقد کر رہا ہے چنانچہ ادارہ تحقیقات اسلامی میں اس خبر سے مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ دیرینہ خواہش کی تکمیل کی صورت نظر آنے پر مختلف اقدامات سوچے گئے۔ اس ضمن میں دارالمصنفین کے ڈائریکٹر جناب صباح الدین عبدالرحمان سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا جس کے نتیجے میں ادارہ ہذا کے تقریباً سبھی اہل علم حضرات کو فرداً فرداً جناب صباح الدین صاحب نے کتابت شدہ دعوت نامے ارسال کر دیئے۔ پاکستان میں یہی ایک ادارہ ہے جسے اس سیمینار میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب صباح الدین صاحب نے گذشتہ دو سالوں میں دارالمصنفین کی کتب کی رائلٹی لینے کے سلسلے میں قیام اسلام آباد کے عرصہ میں اس ادارے کے اندر بیشتر وقت گذارا تھا۔ اور تقریباً ہر سکالر سے ذاتی مراسم کے علاوہ اس ادارے کو پاکستان کی شبلی اکیڈمی تصور کرتے تھے۔

اگرچہ وقت بہت تھوڑا تھا تاہم دوستوں کی مہمانی اور جامعہ اسلامیہ کی انتظامیہ کے تعاون سے حکومت کے سبھی متعلقہ اداروں سے اس سیمینار میں شمولیت کی اجازت مل گئی۔ اور اسلام آباد سے سات افراد پر مشتمل ایک وفد جامعہ اسلامیہ کی ایک نئی ویگن میں ۱۸ فروری کی شام کو عازم لاہور ہوا۔ اس وفد میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے۔

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالواحد ہالیپوتہ، ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی۔ ۲۔ سید عبدالقدوس ہاشمی پروفیسر ادارہ۔ ۳۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی سابق ایڈیٹر فکر و نظر۔ ۴۔ جناب محمود احمد غازی ایڈیٹر الدراسات الاسلامیہ ۵۔ جناب محمد طفیل صاحب۔ ۶۔ جناب سید سباح الدین کاکاخیل ممبر اسلامی نظریاتی کونسل۔ ۷۔ اور یہ ناچیز (احمد خان

لائبریرین ادارہ)

راستے میں جناب ہاشمی صاحب کے ادبی و علمی نکات اور بے حد معلوماتی چٹکلے تمام اراکین وفد کو نہ صرف محفوظ کرتے رہے بلکہ سفر کی تکان اور دیگر صعوبتوں کے احساس سے بیگانہ کئے رہے۔ ۱۸ ر کی شب لاہور میں قیام کے بعد اگلے روز صبح سویرے جب کہ لاہور میں خنک ہوا چل رہی تھی اور ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی تھی۔ ہم واہگہ کی جانب روانہ ہوئے اپنے اور بھارت کے کسٹم سے متعلق جملہ ضوابط سے فراغت پانے کے بعد ۱۹ ر کی دوپہر کو امرتسر اسٹیشن پر پہنچ چکے تھے وہاں پر بنارس کے لئے بکنگ چونکہ پہلے سے نہیں ہوئی تھی اس لئے کافی دقتوں کے بعد یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا گورونانک یونیورسٹی امرتسر کے لائبریرین کو میں نے اپنی آمد کی خبر پہلے دے رکھی تھی۔ چنانچہ وہاں سے اسسٹنٹ لائبریرین مسٹر وجیت سنگھ ہمیں یونیورسٹی لے جانے کے لئے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ چونکہ ہماری گاڑی پانچ بجے جانے والی تھی اور وقت بہت تھوڑا تھا لہذا اکثر اراکین نے یونیورسٹی جانے سے معذرت کر دی مگر جناب طفیل صاحب اور مجھے لے جانے میں وہ کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ ہم نے بسرعت پہلے شبلی اکیڈمی کو اپنی آمد کا تار دیا۔ پھر تیزی کے ساتھ یونیورسٹی پہنچے۔ جلدی ہی کتب خانے کا ایک چکر لگایا۔ اور پونے گھنٹے میں اس وعدے پر واپس اسٹیشن آ گئے۔ کہ واپسی پر یونیورسٹی کو تفصیل سے دیکھیں گے۔ اور چونکہ وقت کافی ہوگا۔ اس لئے یونیورسٹی کے اساتذہ لائبریری کے اراکین سے مفصل تعارف ہوگا۔

گاڑی اپنے وقت پر روانہ ہوئی۔ اور جلد ہی رات چھا گئی۔ ساری رات ہلکی کبھی تیز بارش ہوتی رہی اور ہم منزل مقصود کی طرف بڑھتے رہے۔ اگلے روز دوپہر کو لکھنؤ اور اس لائن سے تمام اسٹیشنوں کا گذر ہوا جن میں شیراز ہند جونپور بھی تھا۔ جونپور میں مسلمان اب بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ اس شام ۱/۲ ۷ بجے ہم بنارس پہنچ گئے۔ شبلی اکیڈمی کی طرف سے شبلی کالج کے دو استاد جناب اشتیاق اور جناب مشتاق احمد قریشی صاحبان اسٹیشن پر ہمارا استقبال کیا۔ ہم نے وہیں کھانا کھایا۔ اتنے میں گاڑیوں میں سامان رکھا جا چکا تھا۔ اور ہم ۹ بجے رات اعظم گڑھ کی طرف روانہ ہوئے۔ رات گیارہ بجے کے درمیان ہم شبلی اکیڈمی پہنچ چکے تھے۔ پھر جلد ہی سو گئے۔ صبح جب آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب اراکین وفد سے فرداً فرداً تشریف لائے ہیں۔ ایک آدھ گھنٹہ ان سے ملاقات رہی۔ پھر پروگرام معلوم کیا اور ہم ناشتہ وغیرہ کے لئے چلے دارالمصنفین جس جگہ واقع ہے یہ کوئی بہت بڑا شہر نہیں ہے۔ اگرچہ اعظم گڑھ ضلع کا صدر مقام ہے اس میں کوئی لمبی چوڑی سہولتیں میسر نہیں۔ چنانچہ اکیڈمی کی طرف سے اس بین الاقوامی سیمینار کے مدعوئین کو ٹھہرانے کا انتظام منزلوں میں کیا گیا تھا۔

شبلی کالج کی پشت پر اس کالج کا ایک کھلا میدان ہے۔ یہی جگہ افتتاحی اجلاس، مہمانوں کو ٹھہرانے اور

کے طعام گاہ کے طور پر استعمال کی گئی۔ مہمانوں کے لئے نصب کئے گئے خیمے انگریزی کے یو کی شکل میں تھے۔ ان کے درمیان انتظار گاہ اور کھانے کے الگ الگ حصے ٹینٹوں کی صورت میں تھے۔ انتظار گاہ کو بہت اچھے طریقے سے سجایا گیا تھا۔ روشنی کی وافر مقدار پہنچانے کے لئے ہر خیمے کے سامنے فلورنس ٹیوبیں لگائی گئی تھیں۔

افتتاحی اجلاس کا پنڈال خاص طور پر ٹیوب لائٹوں اور دیگر سجاوٹ کے سامان سے مزین تھا۔ سٹیج عام نشست سے اونچا بنایا گیا تھا وہ اتنا بڑا تھا کہ ہندوستان سے باہر کے تمام سکالر محققین اس پر بیٹھ سکتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ سجاوٹ، لائٹوں اور دیگر انتظام نے اعظم گڑھ جیسے ایک دور افتادہ قصبہ کے لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اس امر کا ثبوت ہمیں اس صورت میں مل رہا تھا کہ بہت سے مقامی حضرات بلا تفریق مذہب، پیر و جوان مستورات اور بچے سبھی رات کو یہ منظر دیکھنے کے لئے آ رہے تھے۔ اس قسم کا وسیع پیمانے پر انتظام اعظم گڑھ میں کیسے ممکن تھا۔ لہذا اس کے لئے لکھنؤ سے خاص انتظام کرایا گیا تھا۔ اس انصرام کو وہاں کے ماحول کی نسبت دیکھا جائے تو بہت عمدہ اور اعظم گڑھ کی تاریخ میں پہلا انتظام تھا۔

یہاں یہ بات مناسب رہے گی کہ آگے بڑھنے سے پہلے دار المصنفین کا مختصر سا تعارف کرا دیا جائے۔

دار المصنفین | ۱۹۱۳ء میں ندوۃ العلماء کی خدمات سے سبکدوشی حاصل کرنے کے بعد علامہ شبلی نے اپنے تصنیفی کام کی طرف خصوصی توجہ کرتے ہوئے ۱۹۱۴ء میں سیرت النبیؐ کے عظیم منصوبے کو ملک کے سامنے پیش کیا اس مقصد کے لئے مولانا شبلی نے سب سے پہلے اپنے وسیع باغ کو جو اعظم گڑھ میں واقع تھا اور جس سے متصل چند مکانات بھی تھے اپنے مجوزہ منصوبے کی خاطر وقف کر دیئے۔ ساتھ ہی اس جگہ اپنی اور اپنے اعزہ کی کتب بھی دار المصنفین کے نام منتقل کر دیں۔ ان مراحل کے طے ہو جانے کے بعد چند قواعد ترتیب دیئے۔ اور اپنے تلامذہ کو خطوط لکھے۔ کہ وہ دار المصنفین میں قیام کے لئے تیار ہو جائیں۔ مگر یہ سامان ہو ہی رہا تھا کہ خود مولانا ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

مولانا کی وفات سے تیسرے دن مولانا حمید الدین فراہی۔ سید سلیمان ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی تینوں نے مجلس اخوان الصفا کے نام سے ایک عارضی مجلس قائم کی۔ اس مجلس میں سیرۃ النبی کی تکمیل سب سے اولین کام ٹھہرایا گیا۔

یہ تھی دار المصنفین کی ابتداء پھر اس مجلس کا کام، قواعد و ضوابط اور دیگر تالیفی امور سید سلیمان ندوی نے زندگی بھر اس خوش اسلوبی سے نباہے کہ دار المصنفین اور سید سلیمان ایک ہی شمار ہونے لگے۔ ۱۹۵۳ء میں سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد معین احمد ندوی نے یہ بار گراں اپنے سر لیا اور ان کی وفات کے بعد اب اس مقام علم و فضیلت پر سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب متمکن ہیں۔

دارالمصنفین کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ ملک میں اعلیٰ مصنفین اور اہل قلم کی جماعت پیدا کرنا۔
۲۔ بلند پایہ کتابوں کی تصنیف و ترجمہ۔
۳۔ علمی، ادبی اور تحقیقی کتب کی طباعت و اشاعت۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل الگ الگ صیغے کام کر رہے ہیں۔

۱۔ صیغہ سیرت النبیؐ   صیغہ دارالتالیف   صیغہ دارالطباعہ   صیغہ دارالاشاعت
صیغہ رسالہ معارف   صیغہ دارالکتب   صیغہ تعمیرات

صد رشعبہ اپنی مقدور بھر سعی و کوشش سے ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔ چنانچہ اس وقت تک اس اکیڈمی نے کئی اصحاب قلم پیدا کئے ہیں۔ ۱۷۵ کے قریب کتب شائع کر چکے ہیں۔ جو ۵۰۰، ۵۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں

اس اکیڈمی کے قیام سے دو سال بعد ۱۹۱۶ء میں معارف کے نام سے ایک دینی اور علمی ماہنامہ جاری ہوا جو اپنے متنوع مضامین، تحقیقی مواد، مستقل اور ٹھوس آراء اور دینی اہم مسائل کے حامل مضامین کا عمدہ مرقع ثابت ہوا۔ جس نے گذشتہ نصف صدی سے علمی و تحقیقی دنیا میں ایک تہلکہ مچا رکھا ہے۔ اور اس کی ساکھ و علمی قدر اتنی بلند ہے کہ پاک و ہند بلکہ دنیا بھر میں اس کے قارئین کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اردو زبان میں یہی ایک ایسا رسالہ ہے جسے یورپ اور ایشیا میں دیگر علمی رسائل کے روبرو کھڑا ہونے کا شرف حاصل رہا ہے اور ہے۔

پروگرام کے مطابق افتتاحی اجلاس ۱۱ر فروری کی صبح ۱/۲ ۹ بجے ہونا تھا۔ مگر بنارس میں رکے ہوئے کچھ عرب مہمانوں کی آمد میں وقت لگ گیا جس کی وجہ سے یہ اجلاس کچھ دیر سے شروع ہوا۔ مندوبین کی آمد کے بعد اس اجلاس کی صدارت کے لئے قطر کے معروف عالم یوسف القرضاوی، جو فقہ الزکوٰۃ کے علاوہ کئی کتب کے مصنف اور بلند پایہ مفکر بھی ہیں۔ ان کا نام نامی چنا گیا۔ ان کے ساتھ ہندوستان کے جید عالم، مبلغ اور ندوۃ العلماء کے عظیم رہنما مولانا ابوالحسن علی ندوی نے جگہ لی۔ اور جلسے کی کارروائی اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض ندوہ کے ایک دوسرے فرزند سید محمد رابع حسن ندوی صاحب نے سرانجام دئے۔

اللہ کے مقدس کلام سے جلسے کا آغاز ہوا۔ جس کی تلاوت ندوہ کے ایک انڈونیشی طالب علم فہمی زمزم نے کی۔ کلام پاک کے ترجمے کے بعد دنیائے علم و فن کے عظیم و ممتاز علماء جو اس سیمینار میں کسی وجہ سے شمولیت اختیار نہ کر سکے ان کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔

طریق کار یوں تھا کہ پیغامات جو اکثر عربی زبان میں تھے۔ پہلے پڑھے جاتے اور پھر ان کا خلاصہ اردو میں پیش کیا جاتا۔ عام طور پر اردو میں یا پھر عربی میں ترجمے کا کام جناب رابع صاحب، جناب سلیمان حسنی صاحب یا ندا

کسی دوسرے استاد کے ذمہ ہوتا۔ یہ پیغامات مندرجہ ذیل حضرات سے موصول ہوئے۔

۱۔ احمد بن عبدالعزیز المبارک۔ چیف جسٹس ابوظبی۔

۲۔ ڈاکٹر عبدالسلام ہراس، فیکلٹی آف عربی۔ جامعہ فاس۔ مراکش۔

۳۔ ڈاکٹر معروف الدوالیبی۔ سابق وزیر اور حال شاہی مشاور سعودی حکومت۔

پیغامات کا سلسلہ ختم ہوا تو شبلی اکیڈیمی کے موجودہ ڈائرکٹر اور اس سیمینار کے کرتا دھرتا جناب صباح الدین عبدالرحمن صاحب ملکی و غیر ملکی سکالر حضرات کے استقبال و ترحیب کے لئے سٹیج پر تشریف لائے۔ ان کا خطبہ اگرچہ مختصر تھا مگر وہ سیمینار کے مقاصد اور لائحہ عمل کا ایک عمدہ نمونہ تھا۔ انہوں نے پہلے تو مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ پھر بتایا کہ جن مقاصد کے تحت دارالمصنفین کا قیام عمل میں آیا ان میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ دین اسلام، سیرت نبوی اور اسلامی فنون سے متعلق جو تحقیقات ہوتی رہتی ہیں ان کا جائزہ لیا جاتا رہے۔ پھر سید صباح الدین صاحب نے مستشرقین کی تین اقسام گنوائیں جو علامہ شبلی اپنی تحریرات میں بتا چکے ہیں۔ ان کے مطابق

۱۔ پہلی قسم جاہل مستشرقین ہیں جو اصل ماخذوں سے واقف نہیں۔ ان لوگوں کا سرمایہ معلومات اردو کی تصنیفات اور تراجم ہیں۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ مشتبہ اور نامکمل مواد کو قیاس اور میلان طبع کے قالب میں ڈھال کر دکھائیں۔

۲۔ پہلی قسم سے ذرا کم خطرناک وہ مستشرقین ہیں جو عربی زبان۔ علم و ادب۔ تاریخ و فلسفہ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہیں۔ وہ سیرت یا مذہب اسلام پر کوئی مستقل کتاب نہیں لکھتے۔ لیکن ضمنی طور پر عربی دانی کے زعم میں اسلام یا شارع اسلام کے متعلق نہایت دلیری سے جو کچھ چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں۔

۳۔ ان سب سے کم تکلیف دہ مستشرقین کی وہ جماعت ہے جنہوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے۔ مگر ان سے بھی بہت سی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔

اس کے بعد سید صاحب نے بتایا کہ یورپی مصنفین کی غلط کاریوں کی وجہ ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے لیکن بعض وجوہ اور بھی ہیں۔ جن کے سبب ہم ان کو معذور سمجھ سکتے ہیں۔ ان میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کا تمام تر سرمایہ استناد صرف سیرت و تاریخ کی کتابیں مثلاً مغازی واقدی، سیرت ابن ہشام، سیرت محمد بن اسحاق اور تاریخ طبری وغیرہ ہیں جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ ان کتب میں سے ایک بھی نہیں جو استناد کے اعتبار سے بلند رتبہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہیں جو حدیث کی کتابوں میں بہ روایات صحیحہ منقول ہیں۔ یورپین مصنفین اس سرمائے سے زیادہ تر بے خبر ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصول تنقیح شہادت

اور اصول تنقیح میں سخت اختلاف ہے۔ یورپ میں اس بات کو بالکل نہیں دیکھا گیا۔ کہ راوی صادق ہے۔ کاذب ایک چھوٹے سے چھوٹا راوی ایک بیان کرتا ہے۔ جو گرد و پیش کے واقعات کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیان بالکل مسلسل ہے اور کہیں سے نہیں اکھڑتا تو ایسے واقعات کی یورپ کے مذاق کے مطابق صحت تسلیم کر لی جائے گی۔

علامہ شبلی کا یہ تجزیہ پیش کرنے کے بعد شبلی نعمانی کے شاگرد اور جانشین مولانا سید سلیمان ندوی کے یہ فرمودات پیش کئے کہ "یورپ کے اہل علم نے جہاں علوم جدیدہ کا سرمایہ فراہم کیا اور اپنے لٹریچر کو نئے نئے اسلوب میں شائع کیا، وہاں علوم اسلامیہ کی اہمیت نے بھی ان کے علمی شغف کو اپنی طرف مائل کیا۔ اور مستشرقین کے نام سے ایک مستقل گروہ نے عربی علوم و آداب کی حفاظت و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ ان کی یہ قابل قدر سرگرمیاں ہمارے شکریہ کی مستحق ہیں۔ لیکن ظاہر ہے یہ علوم ان کے نہ تھے۔ اس لئے وہ ہمدردی و محبت جو مسلمانوں کو اپنی چیزوں سے ہو سکتی ہے ان کو نہیں ہے۔ اس لئے ان کی تحقیق و تدقیق سے جہاں فائدہ ہو رہا ہے سخت نقصان بھی پہنچ رہا ہے۔ جس کی تلافی آج مسلمان اہل علم کا فرض ہے"

بانی دار المصنفین اور اس کے شاگرد کے بیانات کے بعد دار المصنفین کے موجودہ ڈائرکٹر نے فرمایا کہ ہم اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور آج کا یہ علمی مذاکرہ بھی اس سلسلہ کی ایک زریں کڑی ہے۔

آخر میں سید صباح الدین صاحب نے مہمانان گرامی کا خیر مقدم کرتے ہوئے صمیم قلب سے شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس دور افتادہ قصبہ میں آنے کی زحمتیں گوارہ کیں۔

اس خطبہ استقبالیہ کے بعد سید ابو الحسن ندوی نے اپنے دلپذیر اور چھے تلے کلمات ترحیب سے مہمانان گرامی کو نوازا۔ چونکہ مولانا علی میاں کا خطبہ طویل ہوتا تھا اس لئے مولانا کے پہلے سے لکھے ہوئے خطبہ کا خلاصہ جناب مولوی سلمان حسنی ندوی نے نہایت ہی خوبصورت، بلیغ اور سلیق عربی میں پیش کیا جس کے بعد مولانا نے اپنے خطبہ کے چیدہ چیدہ نکات پیش کئے۔ درحقیقت یہ خطبہ اس سیمینار کا ایک کلیدی خطبہ تھا جس میں اس اجتماع کے اغراض و مقاصد اس ضمن میں کارگذاریاں اور آئندہ کے لائحہ عمل پر سیر حاصل گفتگو تھی۔ جناب سید ابو الحسن علی ندوی نے خطبہ کو علامہ اقبال کی اس رباعی سے شروع کیا

دو صد دانا درین محفل سخن گفت — سخن نازک تر از برگ سمن گفت
ولے با من بگو آں دیدہ ور کیست — کہ خسارے دید و احوال چمن گفت

فرمایا کہ مولانا شبلی نعمانی نے کس کس مپرسی میں اس دور افتادہ جگہ پر اپنے مشن کا آغاز کیا تھا اور اب اس کی کیا صورت بن آئی ہے۔ اس خطبہ میں علی میاں نے نہایت اختصار کے ساتھ شبلی اکیڈیمی کی ابتدا، اس دور قحط الرجال اور معاشی بدحالی کے عہد میں اکیڈمی کی کارگذاریوں اور اس کے موجودہ بے لوث و بے غرض کارکنوں

کی ستائش کے بعد مستشرقین کے کام کی اہمیت اور ان کی محنت و جانفشانیوں کا بہت اچھے الفاظ میں اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حقیقت ہے کہ مستشرقین کی ایک بڑی جماعت نے قرآن مجید۔ سیرت۔ تاریخ۔ تمدن اسلام اور اسلامی معاشرہ کی تاریخ اور اس کے بعد اسلامی حکومتوں کی تاریخ کا مطالعہ ایک خاص مقصد کے تحت کیا اور مطالعہ میں ان کی دوربین نگاہیں وہ تلاش کرتی رہیں جن کو جمع کر کے قرآن۔ شریعت اسلامی۔ سیرت نبوی۔ قانون اسلامی اور اسلامی حکومتوں کی ایک ایسی تصویر پیش کر سکیں جسے دیکھ کر لوگ آنکھوں پر پٹی باندھ لیں۔

آپ نے کئی نکات پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ مستشرقین نے عربوں کے بارے میں اس امر کا اتنی شدت سے ڈھنڈورا پیٹا کہ عربوں میں صرف دو چیزیں ہیں ایک حرم سرا جس میں بے شمار عورتیں اور دوسرا اونٹ جو عرب میں عام مستعمل ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ حشر نشر میں نئی نسلیں مستشرقین کی گریبانیں پکڑ کر پوچھیں گی کہ انہیں اسلام سے بے بہرہ کیوں رکھا گیا۔ پھر فرمایا کہ مسلمانوں کے اہل علم حضرات کا یہ فرض عین ہے کہ وہ اپنی نسل کو مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں سے آگاہ کرتے۔ مگر انہوں نے اس سے غفلت برتی ہے۔ وہ بھی اسی قدر مجرم ہیں جس قدر مستشرقین۔ اب تک چاہیئے تھا کہ یورپی زبانوں میں ٹھوس اور وقیع اسلامی ادب پیش کیا جاتا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ایسا نہیں کیا جا سکا۔ اس ضمن میں کسی اسلامی ملک میں کام نہیں ہوا۔ ترکی۔ مصر۔ ایران۔ بلکہ کئی دوسرے اسلامی ممالک بھی اس غفلت کا شکار رہے۔ ہم مفتخراً نہیں بلکہ حقیقتاً یہ کہنے پر مجبور ہیں کمیت اور اہمیت دونوں اعتبار سے ہندوستان کے مسلمانوں نے مستشرقین کی رد میں ایک اچھا خاصا ادب پیدا کیا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی۔ سید امیر علی۔ پکتھال اور مولانا عبدالماجد دریا بادی کی تحریرات ایک منہ بولتا نمونہ ہیں۔ ہاں علامہ اقبال کے خطبات نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ مگر ؎

گماں مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

پھر فرمایا کہ شبلی اکیڈمی نے یہ سیمینار منعقد کر کے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچا دی ہے کہ شبلی نعمانی نے یہ کام شروع کر کے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔

مولانا کے کلیدی نکات کے بعد بھارت اور اس کے علاوہ دیگر ممالک سے آنے والے مہمانان گرامی کے اسماء سے حاضرین کو متعارف کرنے کا کام جناب مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی ایڈیٹر البعث الاسلامی و استاد ادب عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء نے سرانجام دیا۔

اندرون ملک سے یونیورسٹیوں کے اسلامی و مشرقی علوم کے شعبہ جات سے متعلق اساتذہ جن میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر سید حامد صاحب اور سابق وائس چانسلر پروفیسر خلیق نظامی صاحب قابل ذکر ہیں۔ عربی و اسلامی اداروں اور جامعات کے اہل علم و فکر بھی شریک ہوئے جن میں خاص طور پر حکیم عبدالحمید

مفتی عتیق الرحمن عثمانی۔ مولانا سعید اکبر آبادی۔ قاضی زین العابدین میرٹھی۔ مولانا ابو اللیث، ندوی۔ مولانا معین اللہ ندوی اور ندوہ کے متعدد اساتذہ شامل ہیں۔ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس پورے سیمینار میں ندوہ کے اساتذہ۔ طلبا اور دیگر حضرات کی شمولیت سے ایسے معلوم ہوتا تھا کہ سبھی کچھ ندوہ ہی کی بدولت ہو رہا ہے۔ ع

خود گل و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

والا منظر تھا۔

ان حضرات کے علاوہ بیرونی ممالک کے جامعات سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔ ام القریٰ مکہ مکرمہ۔ ابوظہبی یونیورسٹی و جامعہ قطر کے شعبہ ہائے اسلامیات کے پروفیسروں نے شرکت کی۔ پاکستان کے جن مندوبین کا اوپر ذکر آیا ہے۔ ان کے علاوہ ہمدرد فاؤنڈیشن سے جناب حکیم محمد سعید، حکیم نعیم الدین زبیری۔ اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور سے شیخ نذیر حسین نے شرکت کی۔ ان شرکا میں جنوبی افریقہ سے ڈربن یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر ڈاکٹر سید سلمان ندوی جو سید سلیمان ندوی کے فرزند ارجمند ہیں پورے سیمینار میں کافی ممتاز نظر آ رہے تھے جاپان کی انجمن اسلامیات کے نمائندہ جناب عبدالکریم صاحب بھی موجود تھے۔ مکہ مکرمہ سے ڈاکٹر عبدالصبور مرزوق اور قطر سے علامہ یوسف القرضاوی نے تو اپنی شیریں زبانی سے اجلاس میں جان ڈال دی تھی۔

مہمانوں کے تعارف کے بعد مندرجہ ذیل حضرات کو اس سیمینار کے بارے میں اپنے تاثرات پیش کرنے کی زحمت دی گئی۔

۱۔ محمد محمود طنطاوی صدر شعبہ شریعت و حقوق (جامعہ ابوظہبی)
۲۔ جناب حکیم محمد سعید (پاکستان) ۳۔ سید عبدالقدوس ہاشمی (پاکستان)
۴۔ مفتی سید سیاح الدین کاکاخیل (پاکستان) ۵۔ ڈاکٹر سید سلمان ندوی (ڈربن)
۶۔ جناب ابراہیم قریشی (نمائندہ جمعیۃ الاسلام بنکاک تھائی لینڈ)
۷۔ سید حامد (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)
۸۔ جناب خلیق نظامی (علی گڑھ)
۹۔ جناب شوکت سلطان (سابق پرنسپل شبلی کالج اعظم گڑھ)
۱۰۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری (پروفیسر پٹرولیم یونیورسٹی ظہران)

ان حضرات کے تاثرات طوالت کے خوف سے یہاں نہیں دئے جا رہے ہاں البتہ اس ضمن میں ایک عجیب و غریب بات کا ذکر کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

(جاری ہے)

تغیّر کی دنیا میں
رُوح افزا کو دوام حاصل ہے

رُوح افزا جیسے سچے مشروب کی تخلیق میں طویل تجربہ،
فنی مہارت اور طبّی علم و دانش کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس کی کوالٹی بھی
اسی مہارت سے قائم و دائم رکھی جاتی ہے۔

بے شک ذائقہ، تاثیر اور رنگ میں کوئی مشروب
رُوح افزا کا ثانی نہیں۔
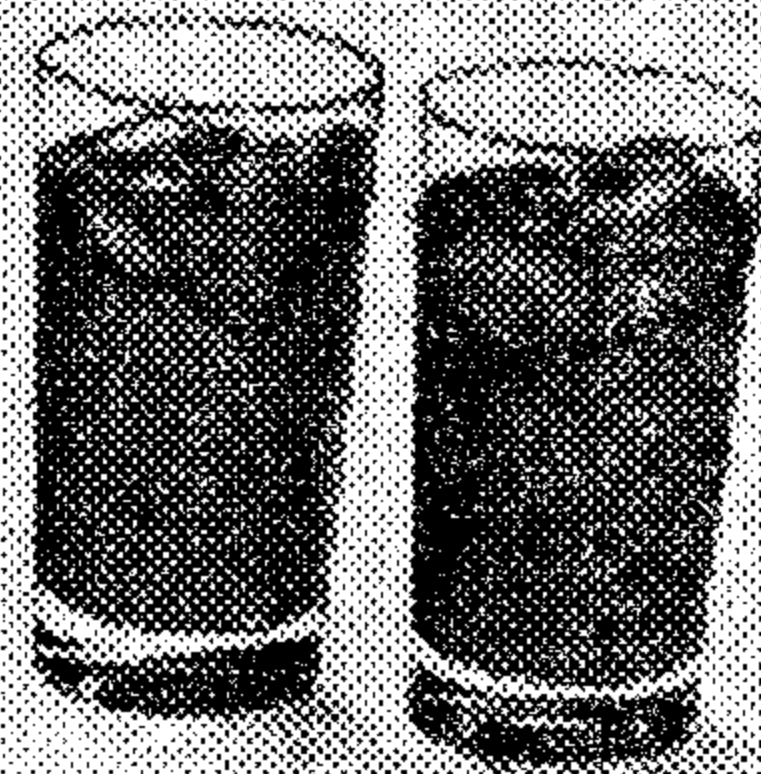
Adarts

مولانا اخوندزادہ عبدالقیوم حقانی۔ فاضل حقانیہ
مدرس دارالعلوم حنفیہ چکوال

امام ابوحنیفہ اور آپ کے تلامذہ

احادیث اور علوم نبوت کے صحیح وارث اور امین

علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے تحقیق و تدقیق اور اظہار حق کے سلسلہ میں دیانت اور حق و صداقت کی صحیح [نمائن]دگی کی اور حد درجہ جرأت، حق گوئی اور بے باکی کے ساتھ اپنا نقطہ نظر اور طریق فکر (جو قرآن و سنت کے [سا]نچہ میں ڈھل کر تعمیر ہوا تھا) دنیا کے سامنے پیش کر کے اپنی علمی و اخلاقی برتری کا ثبوت دیا۔

ذیل میں انہی کا ایک اور ارشاد گرامی بھی درج کر دیا جاتا ہے۔ جس سے علامہ موصوف، عظیم للہیت ، [تق]وٰی، پاکیزہ نفسی، علمی انہماک اور علم و تفقہ میں مکمل دسترس اور مہارت تامہ کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں [اور ی]ہ بھی مترشح ہو جاتا ہے کہ بے غرض خدمت دین۔ اخلاقی برتری، اعتدال و توازن۔ دین کا احترام اور گروہی تعصب [س]ے بالاتر ہو کر اصلاحِ حال کا جذبہ، ان کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ فرماتے ہیں۔

فاترك يا اخي التعصب على الامام ابي حنيفه واصحابه رضي الله عنهم واياك وتقليد الجاهلين باحواله وما كان عليه من الورع و الزهد والاحتياط في الدين. فتقول ان ادلته ضعيفة بالتقليد فتحشر مع الخاسرين. وتتبع ادلته كما تتبعنا ها تعرف ان مذهبه رضي الله عنه من اصح المذاهب كيفية مذاهب المجتهدين رضي الله عنهم اجمعين

اے میرے بھائی تو امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے خلاف تعصب کو چھوڑ دے اور جو لوگ امام صاحب کے حالات اور آپ کی پرہیزگاری وزہد و ورع اور دین میں احتیاط سے جاہل ہیں۔ ان کی تقلید میں یوں نہ کہہ دینا کہ آپ کے دلائل ضعیف ہیں (اگر یوں کہے گا) تو تیرا حشر بھی خاسرین کے ساتھ ہو گا۔ آپ کے دلائل کا مطالعہ کر جیسا کہ ہم نے کیا۔ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اصح مذاہب میں سے ہے جیسا کہ مجتہدین کے باقی مذاہب ہیں

(کتاب المیزان جلد ا ص ۶۰)

علامہ شعرانی جن کو باری تعالیٰ نے خالص اسلامی، معتدل اور حق پرست ذہن اور دماغ بخشا تھا جس پر ضد و تعصب کی پرچھائیں، گروہی جتھہ بندی، ہٹ دھرمی اور اسی نوعیت کے دیگر ذمیمہ اخلاق و افکار کا سایہ بھی نہیں پڑا تھا کس قدر صاف کہہ رہے ہیں کہ

ان مذهبه من اصح المذاهب۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب اصح المذاہب سے ہے

اور کھلے بندوں پر حق کے متلاشی کو امام صاحبؒ کے مذہب کے مآخذ اور دلائل و اجتہادات و استنباطات کے بغور مطالعہ کی نہ صرف دعوت فکر دی بلکہ ایسے لوگ جو اسلام کے چوتھے دستوری ماخذ "رائے و قیاس" اور اسلام کے اجماعی فیصلہ "رائے و قیاس کی حجیت" کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ ان کے قلب و دماغ میں حقیقی ایمان "ادخلوا فی السلم کافۃ" کی شان اور احکام اسلامی کے سامنے انقیاد و تسلیم کی خوبھی، پیدا کرنے کی ممکن حد تک سعی فرماتے رہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ علوم نبوی کے امین تھے

رائے و قیاس کا نام لے کر امام ابوحنیفہؒ کو "امام اہل الرائے" کہہ کر فقہ حنفیہ کو مبنی بر رائے و قیاس ٹھہرا کر جو براہِ راست اسلامی دستور ہی کے ناقص و نامکمل ہونے کا اعتراف ہے تحقیق و تدقیق اور طلب حق کے میدان میں، دلائل و براہین کی روشنی میں، اپنا سا منہ لے کے رہ جاتے ہیں جب یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب، علم حدیث سے کورے تھے اور علوم نبوی سے انہیں کوئی مناسبت نہیں تھی۔

علامہ خلف بن ایوبؒ نے جب دیکھا کہ بعض نا عاقبت اندیش افراد، اسلامی دستور کے قلب و جگر اور اس کے اعصاب "رائے و قیاس" پر حملے کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ تحریفات، تاویلات، نفس پرستی تعیشات، الحاد، لا دینیت اور عقلیت پرستی کا اسلام پر حملہ ہو گا۔ اسلام کی اساسی، دستوری اور قانونی روح کو شکست دی جائے گی۔ تو شدت سے اس ضرورت کو محسوس کیا۔ کہ حقیقت اسلام اور دین خالص کو اجاگر کیا جائے۔ قرآن و حدیث اور ان سے مستنبط قوانین (فقہ حنفیہ) کی پیروی و حمایت کی جائے۔ اسی لگن تڑپ اور احساس نے ان کو بغیر کسی لامۃ لائم کے خوف کے اس حقیقت کے اظہار و اعلان کر مجبور کر دیا جس کو امام جلال الدین سیوطیؒ نے تبییض الصحیفہ کے صد ۱۹۔ اور مولانا حبیب اللہ خان شروانی نے خطیب بغدادی کے حوالہ سے اپنی کتاب "امام ابوحنیفہ اور ان کے ناقدین" صد ۴۲ پر نقل فرمایا ہے:-

قال خلف ابن ایوب صار العلم من اللہ تعالیٰ الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثم صار الی اصحابہ ثم صار الی	خلف بن ایوب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا۔ پھر آپ نے صحابہ کو پہنچایا اور صحابہ نے تابعین کو۔ تابعین کے بعد ابوحنیفہ

التابعین ثم صار الی ابی حنیفہ واصحابہ اور ان کے اصحاب کو ملا. (اس پر کوئی خوش ہو یا ناراض) (ابوحنیفہ اور ناقدین)

علوم نبوت کے صحیح وارث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح نائبین اور امت کے مجددین اور مصلحین وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو دماغی، علمی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے زمانہ کے ممتاز ترین افراد ہوں. جو ہر قسم کی تحریفات اور تاویلات کا پردہ چاک کر سکتے ہوں۔ اور جاہلیت وضلالت کی ہر نئی ظلمت کے لئے ان کے پاس "ید بیضا" ہو۔

محمد بن خلفؒ کی شہادت کو بغور پڑھا جائے۔ اور پھر امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کی سیرت وکردار، علم وعمل، فقہ ورائے اور اجتہادات واستنباطات کا مطالعہ کیا جائے تو نتیجتہً یہ ماننا اور یقین کرنا پڑے گا۔ کہ جن کو آج "اہل الرائے" کہہ کر بدنام کیا جا رہا ہے. کل انہوں نے ہی اپنے کامل یقین۔ سچی روحانیت۔ عظیم۔ کمال تدبر اور بڑی قربانیوں سے اسلام کی قانونی اور دستوری کو محفوظ رکھا. یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے امت کی اجتماعی زندگی. معاشرت. معاملات. سیاست اور دستور اسلامی کے اصولی و آئینی کلیات کی حفاظت کی۔

محمد بن خلف نے بھی اس واقعاتی حقیقت کے اظہار میں قدرے بھی باک محسوس نہ کی اور ڈنکے کی چوٹ کہہ دیا کہ "علم نبوت کے صحیح وارث اور امین امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب ہیں۔

اہل اسلام پر واجب ہے	جن لوگوں کو اسلام اور اس کی روح سے قدرے بھی شناسائی ہے اور جو

لوگ قرآن وحدیث — اجماع اور قیاس کو اسلام کے دستوری ماخذ کی حیثیت من جانب اللہ تسلیم کرتے ہیں وہ جب بھی امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کی عظیم فقہی اور دستوری خدمات پر نظر کرتے ہیں تو ان کے حق میں صرف زبان سے نہیں بلکہ دل وجان سے دعا کرنے پر اپنے کو مجبور پاتے ہیں۔ بلکہ محدث عبداللہ بن داؤد الخریبی نے تو یہاں تک کہا کہ

اہل اسلام پر واجب ہے کہ نماز کے بعد امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حق میں اس حفاظت کے صلہ میں جو انہوں نے "سنت وفقہ" کی کی ہے دعائے خیر کریں (موفق جلد ۱ ص ۱۹۳)

پہلا شخص جس نے قانون کے پوائنٹ پر بحث کی	بات طویل ہوتی جا رہی ہے گو موضوع سے خارج نہیں ہے گفتگو کا موضوع رائے وقیاس کی اہمیت اور حدیث سے اس کا تلازم ہے۔ منکرین

"رائے وقیاس" کو ابوحنیفہ دشمنی میں ایسے بدیہی حقائق اور شہادتوں سے بھی آنکھیں بند کرنا پڑیں جن کو ایک ادنی مسلمان بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ بلکہ ان کے سمجھنے میں اگر "مسٹر چارلس ہملٹن" نے بھی کچھ بے تعصبی سے کام لیا تو وہ یہاں تک سمجھا اور ایک غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی اسے یہ اعتراف اور اعلان کرنا پڑا کہ

وہ پہلا شخص بھی ابوحنیفہ ہے جس نے مدلل طریقہ سے قانون کے پوائنٹ پر بحث کی ہے اور تمام دنیوی معاملات کو اس تحقیق و تفحص سے قانون کی رسی میں جکڑ دیا ہے کہ ایک تعجب معلوم ہوتا ہے۔

(ہدایہ مطبوعہ لندن ۔ ۱۸۷۰ء ۔ بحوالہ تاریخ فقہ ص ۸۹)

زیادہ مستحکم اور پائیدار اصول ڈاکٹر انریکو انسابا نے بھی گروہی تعصب اور ابوحنیفہ دشمنی (بلکہ اسلام دشمنی) سے بالاتر ہو کر جب اسلامی قوانین ۔ اسلامی فقہ اور اسلام کے دستوری اصول و کلیات کا بنظر غائر مطالعہ کیا تو اسے بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ

اسلامی شریعت کو اپنے بہت سے مسائل میں مغربی قوانین پر فوقیت حاصل ہے بلکہ وہ دنیا کو سب سے زیادہ مستحکم اور پائیدار اصول عطا کرتی ہے۔

(فقہ الاسلام ماخوذ مجلۃ الازہر بحوالہ امام اعظم ابوحنیفہ)

دیارِ غیر میں بات یہ چل نکلی ہے کہ اپنوں میں سے بھی جنہوں نے تعصب اور بغض کی نگاہ سے دیکھا یا فقہ و اجتہاد میں امام صاحب کے مقام تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ تو وہ حسد کرنے لگے اور اس میں یہاں تک اترے کہ ابوحنیفہ دشمنی میں صرف فقہ حنفیہ ہی نہیں بلکہ مطلق فقہ سے بھی انکار کر بیٹھے ع

نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری

مگر جنہوں نے غیر جانبدارانہ تعصب سے بالاتر ہو کر تحقیق کی۔ ایسوں میں بعض اپنوں کی تحقیقات کی ایک جھلک کسی حد تک گذشتہ صفحات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اور حسب موقعہ مزید بھی قارئین کو محظوظ کیا جاتا رہے گا۔

آئیے! چند لمحے دیارِ غیر میں چلیں۔ اپنے جسے "امام اہل الرائے" کہہ کر ٹھکرا رہے ہیں۔ غیر اسے ہی عظیم فقیہ اور صائب الرائے کہہ کر اٹھا رہے ہیں۔

عظیم قانون دان وان کریمر جو جرمن کے ایک بہت بڑے اور مشہور قانون دان ہیں امام اعظم ابوحنیفہ سے متعلق کہتے ہیں کہ

امام اعظم ابوحنیفہ ہر آنے والے زمانے کے عظیم ترین قانون سازوں میں سے ایک ہیں

(چٹان دسمبر ۱۹۶۳ء)

ترقی کے ضروری اصول و مبادیات اگر طبیعت سلیم اور ضد و ہٹ دھرمی کے پرچھاؤں تلے بھی نہ آئی ہو تب بھی یہ ممکن ہے کہ دنیا کے ذلیل ترین اغراض و مقاصد انسان کے لئے حق و صداقت کو عملی طور اپنانے سے

مانع ہوجائیں مگر عقلاً اس کے ماننے اور حق وصداقت کے تسلیم کرنے سے کبھی بھی گریز نہیں کیا جا سکتا۔ پروفیسر ہوکنگ جو امریکہ کے ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں گو عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے اسلام سے کوسوں دور ہیں مگر اسلام کی حقانیت، صداقت اور جامعیت سے انہیں بھی انکار نہیں بلکہ انہی کی شہادت ہے۔ کہ

"میں اپنے کو حق وصداقت پر محسوس کرتا ہوں جب میں یہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اسلامی شریعت میں وہ تمام اصول ومبادیات موجود ہیں جو ترقی کے لئے ضروری ہیں"

(امام اعظم ابوحنیفہ از مفتی عزیز الرحمان ص ۳۲۷)

اسلامی فقہ کی وسعت اور ہمہ گیری!

ایک ترک ادیب کو مخاطب کرکے پروفیسر دمیری نے کہا کہ "تمہاری فقہ اسلامی اس قدر وسیع ہے کہ مجھے تعجب ہوتا ہے جب میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے کیوں نہیں اپنے ملک اور زمانے کے موافق احکام اور قانونی نظام فقہ اسلامی سے اخذ کیا۔"

(فقہ الاسلام بحوالہ امام اعظم ص ۳۲۷)

ہدایہ کے ترجمہ سے مصنف کی عظمت

جرمن کے ایک مشہور پروفیسر نے ہدایہ کا ترجمہ دیکھ کر فرمایا کہ "جس کتاب کا ترجمہ اس قدر اعلیٰ ہے وہ اصل کتاب اور اس کے مصنف کتنے بلند پایہ کے ہوں گے۔"

"دیار غیر" کے عنوان سے اسلامی دستور کے مضبوط اصول وکلیات اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کی عظیم فقہ دانی اور فقہ حنفیہ کی ہمہ گیری کے سلسلہ میں مستشرقین اور جدید علماء کی خراج عقیدت کے جو چند افکار وآراء درج کردئے گئے ہیں۔ اس سے مقصود صرف اتنا ہے کہ جنہیں تعصب کرنا چاہئے تھا بلکہ جن بے ایمانوں کی فطرت اور مزاج ہی میں تعصب ہے امام اعظم ابوحنیفہ کی فقہ دانی اور فقہ حنفیہ کی جامعیت نے اپنے مقابلہ میں ان سے متعصبانہ طرز تحقیق بھی سلب کرلی ہے۔ مگر جن ایمانداروں کے تعصب کے "شر" پر "خیر" ہی کا ایمان لایا ہوا ہے ایسے ایمانداروں کی ایمانی بصیرت بھی اس تحقیق پر منتج ہوتی ہے کہ شریعت میں نہ صرف رائے وقیاس ہی مذموم ہیں بلکہ فقہ اسلامی بھی ایک بدعت، اس پر عمل کرنے والے اور اس کو پھیلانے والے بدعت ہی کی اشاعت کرنے والے ہیں" انا للہ وانا الیہ راجعون ع

جو تیرے زلف میں آئی تو حسن کہلائی (الجرح علی ابی حنیفہ مفہوماً)

خیر وشر کا معیار اور نیکی وبدی کے پیمانے

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کو محض گروہی رہنما کی حیثیت سے لیتے۔ اور سمجھنے وسمجھانے کے نقطہ نگاہ کی بجائے معترضانہ، مخالفانہ اور مناظرانہ ذہن کے ساتھ ان کی سیرت اور فقہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ پھر ظلم یہ ڈھایا جاتا ہے کہ اس قدر عظیم ہستیوں کے قرآن وحدیث سے مستنبط ومرتب کردہ فقہ کا مطالعہ جڑ سے شروع کرکے ٹہنیوں اور برگ وبار تک نہیں پہنچایا جاتا بلکہ اساسی نظریہ کو سمجھے بغیر اور فکر کی جڑ کی ماہیت متعین کئے بغیر مناظرہ بازوں کی منہج پر پڑ کر جزئیاتی مسائل

کی چند کونپلوں کو لے لیا جاتا ہے۔

حالاں کہ یہ طریقہ ہمیشہ متعصب اور مخالفانہ ذہن کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ کسی بھی نظام زندگی کو اور کسی بھی دستوری اصول و کلیات کو سمجھا نہیں جاسکتا۔ بلکہ اس کے ذریعے تو بات سمجھنے کے دروازے ہی بند ہو جاتے ہیں۔

اصل چیز نظریہ اساسی اور پھر اس نظریہ سے ماخوذ ہونے والے اصولوں کو دیکھنا ہوتا ہے۔ کہ جن پر زندگی کے مختلف شعبے استوار ہوتے ہیں پھر انہی اصولوں کے فریم میں جزئیات کی ترتیب دیکھی جاتی ہے۔ کسی کے پیش کردہ مکمل نقشہ کو مجموعی طور پر سمجھنے سے قبل اس کی ایک دو لکیروں یا نشانوں کو پکڑ کر بحث شروع کرنے سے نقشہ کی مجموعی ترتیب تو کجا خود زیر بحث ایک دو لکیروں اور نشانات کی حقیقت اور ماہیت بھی سمجھی نہیں جاسکتی۔

جب امام اعظم ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کی سیرت اور فقہ حنفیہ کے پورے چمن کو دیکھا جائے اور اس کی مجموعی ترتیب کو سمجھا جائے تب اس کے اندر ایک ایک شاخ اور ایک ایک پتی کا مقام خود ہی سمجھ میں آجائے گا۔ ایک باغ پر رائے قائم کرنے کے لئے اس کی مجموعی حیثیت کو سامنے رکھنا ہوتا ہے۔ اہل انصاف اور اہل تحقیق کبھی بھی اس کے اندر ایک دو پتیوں یا کسی پودے کی کونپلوں کو سارے باغ سے الگ کرکے زیر مطالعہ نہیں لاتے۔

یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک نظام یا نظریے یا دستور یا امام اعظم ابو حنیفہؒ جیسے اہم قائدانہ شخصیات میں جب چند چیزیں، کسی کے ذوق اور پسندیدہ روایات اور عادات کے خلاف ہوں تو اس کے یہ معنی لے لئے جائیں کہ وہاں کوئی قابل قدر چیز ہی نہیں ہے اور وہ سارے کا سارا مجموعہ مسترد کر دینے کے قابل ہے۔

جب کہ شرعاً کسی کا ذوق اور پسند، قبولیت کا معیار ہرگز نہیں بلکہ یہاں تو خیر و شر کا معیار، کامل ناقص، بھلے برے۔ اور نیکی بدی کے پیمانے آسمانی ہدایات ہیں پہلے سے موجود اور محفوظ ہیں۔

لہذا جب بھی امام اعظم ابو حنیفہ، آپ کے اصحاب اور فقہ حنفیہ کو آسمانی معیار اور وحی الٰہی کے پیمانے میں جانچا اور پرکھا جائے گا تو اس چول میں جھول کبھی بھی نظر نہیں آئے گی ؛
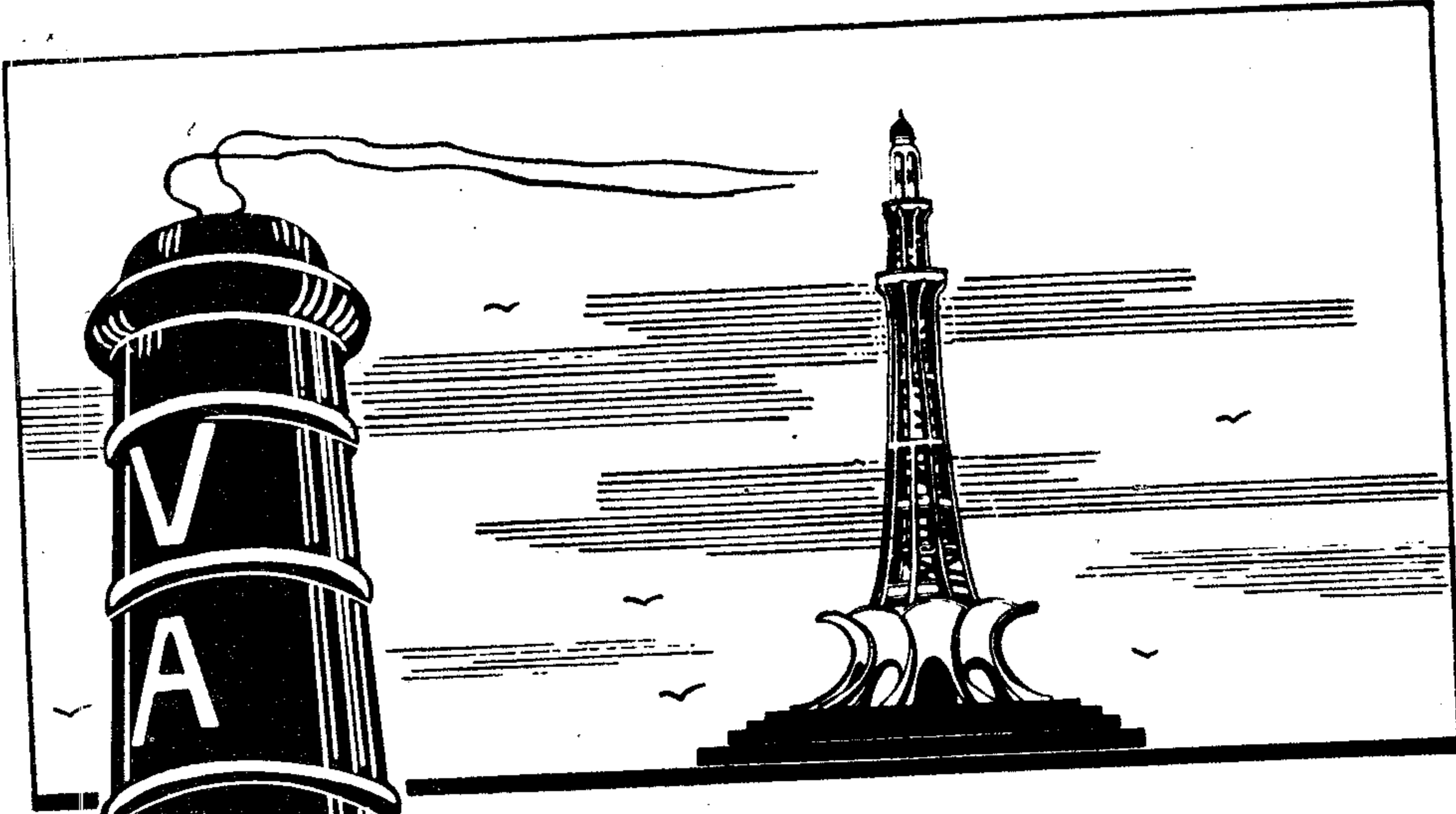
VALIKA
ولیکا
پاکستان کے صنعتی نقشہ میں
اُبھرنے والا سب سے پہلا نام
پاکستان کے صنعتی میدان میں سب سے
پہلے پروجیکٹ کی بنیاد رکھنے کا اعزاز ولیکا کو
حاصل ہے۔ مُلک میں عظیم صنعتوں کے
قیام کے لئے ولیکا کی نمایاں کاوشیں،
قومی معیشت کی ترقی سے وابستہ اداروں کے لئے ہمیشہ
تقویت کا باعث رہی ہیں ــــ
ولیکا وولن مِلز
کمپنی لمیٹڈ
ORIENT

تلخیص و انتخاب - حافظ محمد ابراہیم فانی
فاضل و مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

قرآن کریم

صحیفۂ نفرت - یا - پیامِ آشتی

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے   کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا   (اکبر الہ آبادی)

رفعِ مسیح سے لے کر بعثت قدسی تک اوہام پرستی بدعقیدگی اور جاہلی رسوبات کا دورِ دورہ تھا۔ ہر شخص مجسمۂ ظلم اور ننگِ انسانیت تھا۔ شرافت تڑپ رہی تھی۔ مسجودِ ملائک تنورِ دہشت میں دہکتا رہا۔ مجبور اور بے سہارا نفوس اخوت و مودت کو ترس رہے تھے۔ کمزور اور بے بس قومیں قہر و غضب کی بھٹی میں پک رہے تھے۔ گھر گھر عصبیتیں اور ہر فرد پر تفوّق اور برتری کا عفریت سوار تھا۔ محبت صرف نام کا ایک شے اور وجود اس کا عنقا۔ تمام عالم کفر، شرک، ظلم اور نفرت جہل و بہیمیت کا سایہ چھایا ہوا تھا۔ تاریخ تمدن عرب قبل القرآن کا مطالعہ کرنے والا آج کا مہذب انسان ان کو اپنے سے علیحدہ ایک نوع تصور کرے گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ قرآن سے پہلے وہ کیا تھے اور قرآن کے بعد ان کی زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا۔ اس نسخۂ کیمیا کی زود اثری ملاحظہ ہو کہ تیئیس ۲۳ سال کے مختصر عرصے میں ایسی جماعت پیدا کی جس کے بارے میں کسی نے بجا طور پر فرمایا ہے۔ ؎

جھکا دیں گردنیں فرطِ ادب سے بجلکا ہوں نے   زباں پر جب عرب کے ساربان زادوں کا نام آیا

تمدن عرب قبل القرآن | عنوانِ مذکورہ پر تو مستقل تصانیف لکھی گئی ہیں۔ لیکن بطورِ نمونہ یہاں پر ایسے اقتباسات پیش کرتا ہوں جس سے تصویر کا دوسرا رخ واضح ہو کہ تقابل میں ممد و معاون ثابت ہو سکے۔

علامہ شمس الحق افغانی لکھتے ہیں :-

" قرآن حکیم جس قوم اور جس ملک میں ظاہر ہوا وہ تمام عالمی برائیوں کا مرکز تھا۔ یعنی ملکِ عرب اور قومِ عرب، اعتقادی برائیوں کا یہ حال تھا کہ خدا پرستی کا نام و نشان نہ تھا۔ بت پرستی عام تھی۔ انصاف اور عدل مٹ چکا تھا۔ اور پورا جزیرۃ العرب

ظلم کدہ بن چکا تھا اور ہر قوی کمزور کو کھائے جا رہا تھا۔ اور دیگر ذرائع معاش نہ ہونے کی وجہ سے لوٹ کھسوٹ ہی ان کے لئے واحد ذریعۂ معاش بن چکا تھا۔ اس سنگدلانہ مظالم سے ان کی اولاد بھی محفوظ نہ تھی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ جنسیات اور مسکرات کا استعمال اس قدر عام تھا کہ کوئی مجلس شراب نوشی سے خالی نہ تھی۔ اتحاد و اتفاق کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ اور ہر قوم اور قبیلے کے افراد ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ اور یہ خانہ جنگی اور قوم کشی ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ اصلاح کے تمام اسباب، تعلیم و تربیت قانون مفقود تھے۔ جہالت لاقانونیت اور خودسری عام تھی۔ یہ ایسے حالات تھے کہ انسانی وسائل و ذرائع سے ان کی اصلاح ہزار سال میں بھی ممکن نہ تھی۔" (علوم القرآن صہ ۴۴)

نابغۂ عصر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ عربوں کی جنگ جویانہ فطرت کے بارے میں رقمطراز ہیں:۔

"عرب فطرتاً جنگ جو واقع ہوئے تھے۔ جنگ ان کے لئے زندگی کی ایک ضرورت سے آگے بڑھ کر تفریح اور دل بستگی کا سامان بن گئی تھی جس کے بغیر ان کا جینا مشکل تھا۔ ایک شاعر فخریہ کہتا ہے کہ اگر ہم کو کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو اس خواہش کی تکمیل کے لئے ہم اپنے برادر و حلیف قبیلہ پر حملہ کر دیتے ہیں۔ ایک عرب شاعر دعا کرتا ہے۔ کہ میرا گھوڑا سواری کے قابل ہوجائے تو واللہ قبائل عرب میں جنگ کی آگ بھڑکا دے تاکہ مجھے اپنے گھوڑے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع ملے۔ جنگ کرنا اور خون بہانا ان کے لئے معمولی کام تھا۔ جنگ کو بھڑکانے کے لئے معمولی واقعات کافی تھے وائل کی اولاد، بکر و تغلب کے درمیان چالیس سال تک جنگ جاری رہی جس میں پانی کی طرح خون بہایا گیا۔ ایک سردار مہلہل نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔ کہ دونوں خاندان مٹ گئے۔ ماؤں نے اپنی اولاد گنوائی۔ بچے یتیم ہوتے آنسو خشک نہیں ہوتے۔ لاشیں دفن نہیں کی جاتیں۔ پورا جزیرۃ العرب گویا شکاری کا جال تھا، کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ کہاں لوٹ لیا جائے گا۔ اور کب دھوکا سے قتل کر دیا جائے گا۔ لوگ قافلوں میں اپنے ساتھیوں درمیان سے اچک لئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ عظیم الشان سلطنتوں کو اپنے قافلوں اور سفارتوں کے لئے چوکی پہرہ اور مضبوط بدرقہ اور قبائل کے سرداروں کی ضمانت کی ضرورت پڑتی تھی۔"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر صہ ۷۷)

متکلم وقت حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:۔

"صاحب آیات بیّنات لکھتا ہے۔ کہ قرآن حکیم ایک ایسے زمانے میں اترا جب کہ دنیا ایک عجیب سکتے کے عالم میں تھی۔ اور آپ ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں اخلاقی تعلیم کا کچھ سامان نہ تھا اور ایسی قوم کی اصلاح آپ کے ذمہ کی گئی جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں کے اور باطل خیالات، غلط رایوں اور وحشیانہ اعمال و بداخلاقی اور نفاق اور جنگ جوئی کے کسی قسم کی اخلاقی خوبی نہ رکھتے تھے۔" (اعجاز القرآن صہ ۷۷)

کرۂ ارض اور صحیفۂ عالم آماجگاہِ ظلم و ستم | مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ مطلب نہ اخذ کیا جائے کہ عربوں کے علاوہ باقی عالم ان نقائص و معائب سے پاک تھا۔ اور قرآن فقط عربوں کی سماجی، معاشرتی اور اخلاقی اصلاح کے لئے اتارا گیا تھا۔ بلکہ پیامِ قرآن آفاقی ہے۔ اس کے انقلاب آفریں احکام اور حیرت انگیز اصول تمام نوعِ بشر اور عالمِ انسانیت کے لئے نجات کے ضامن ہیں۔ لیکن چند مخصوص حِکَم و مصالح کی بنا پر عربوں کو اس کے تخاطب کا موقع ملا۔ ورنہ عالم کے تمام دوسرے خطے اور منطقے بھی ان مصائب سے دوچار تھے۔ دنیا پر جہل و ظلم، نفرت و ستم کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ تمام عالم کا حدود اربعہ مہیب تاریکی کی زد میں تھا۔ مولانا علی میاں صاحب مدظلہ دنیا کا عمومی جائزہ کے زیرِ عنوان رقم طراز ہیں۔

"ایک انگریز سیرت نگار آر۔وی۔سی بوڈلے (R.V.C. BODLEY) اپنی کتاب "پیغامبر" میں زمانہ بعثت کی دنیا کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے اس وقت کے قابلِ ذکر ممالک و اقوام کا تذکرہ کرتا ہے:۔

"قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اس دنیا میں عربوں کی کوئی اہمیت حاصل نہ تھی حقیقت یہ ہے کسی کی بھی کوئی اہمیت نہ تھی۔ یہ ایک نزاع کا دور تھا جب کہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں تباہ ہو چکی تھیں۔ یا اپنے شاہی دَور کے اختتام پر تھیں۔ یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت۔ ایران کی عظمت اور روما کی شوکت و جلال سے متحیر تھی۔ اور کوئی ایک ایسی شئے یا کوئی ایک مذہب بھی نہ تھا جو ان میں سے کسی کی جگہ لیتا۔

یہودی تمام دنیا میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ انہیں کوئی مرکزی رہنمائی حاصل نہ تھی۔ حالات کے مطابق یا تو ان کو محض برداشت کیا جاتا یا اذیتیں دی جاتیں۔ کوئی ملک ان کا اپنا ذاتی نہ تھا۔ اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس طرح کہ آج ہے۔" (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۷۵)

آبِ کتاب زندہ قرآن حکیم | مذکورہ بالا اقتباسات میں عالمگیر تاریکی اور تمدن عرب قبل القرآن کا ایک پرتو دکھایا گیا ہے۔ لیکن نزولِ قرآن کے بعد ان کی حالت کیا بنی۔ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

" آپ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب و غریب تاثیر کی کہ اس سے ان کے تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں۔ برسوں کے بھٹکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے۔ اور مدتوں کے سوئے ہوئے غفلت کی نیند سے چونک پڑے۔ جو مشرک تھے وہ موحد ہو گئے۔ جو کافر تھے وہ ایمان لے آئے۔ جو بت پرست تھے وہ بت شکن بن گئے۔ جو گمراہ تھے وہ خدا کی راہ دکھانے والے جاہلانہ حمیت اور وحشیانہ عصبیت کا ان میں نام و نشاں نہ رہا۔ خاندانی جھگڑے اور پشتینی عداوتیں جاتی رہیں۔ دماغ نخوت و غرور سے خالی ہو گئے۔ اور ان کے دل توکل، حلم، بردباری

زہد و پرہیزگاری اور جمیع اخلاقی صفات سے بھر گئے۔ آپ کی تعلیم و ہدایت نے ایک ایسا گروہ خدا پرست، پاک طینت راست باز اور نیک دل لوگوں کا قائم کر دیا جن کی کوششوں سے شرک و بت پرستی کی آواز جو تمام جزیرہ نمائے عرب میں گونج رہی تھی بند ہو گئی۔ بتوں نے عدم کا راستہ لیا۔ بت خانوں کا نشان مٹ گیا۔ آتش کدے ٹھنڈے پڑ گئے تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اوہام پرستی کا باطل خیال باطل ہو گیا۔

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ حق ظاہر ہو گیا اور باطل مغلوب اور بلاشبہ باطل مغلوب ہی ہو کر رہتا ہے۔

(اعجاز القرآن ص ۷۸)

اور علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ "اعجاز تاثیری" کے زیر عنوان فرماتے ہیں:۔

"قرآن کے لئے اصلاح عرب کا ایک ایسا کٹھن کام بالخصوص ایسے وقت میں کہ قرآن کے تئیس سالہ زمان نزول میں سے تیرہ سالہ جو مکی زندگی کا زمانہ ہے۔ قرآنی اصلاح کی بندش کا زمانہ ہے کہ کفار مکہ کی جابرانہ قوت نے قرآنی آواز کو پورے تیرہ سال دبائے رکھا۔ اور قرآنی تبلیغ کی تمام راہیں مسدود کر دی گئیں۔ ہجرت کے بعد قرآن کو کسی حد تک آزادی حاصل ہوئی۔ لیکن باقی ماندہ گیارہ سال کی مدنی زندگی میں سے آٹھ سال یعنی فتح مکہ تک قرآن کے لئے ایسے تھے کہ خود دشمنان قرآن مدینے پر حملہ کر کے قرآنی تبلیغ اور کلام الہٰی کی آواز حق کو جنگ کے ذریعہ دبانے کی کوشش کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے اس آٹھ سال کی جنگی فضا میں بھی قرآن کو آواز حق پہنچانے کی آزادی نہ مل سکی۔ زمانہ نبوت و قرآن کے تئیس سال میں سے اکیس سال منہا کرنے کے بعد آزادانہ اثر اندازی کے لئے صرف دو اڑھائی سال ملے ہیں۔ اس مختصر سے وقت میں قرآن نے اپنی تعلیم اور آواز حق سے جو اصلاحی انقلاب عرب میں لایا۔ وہ دنیا کو معلوم ہے۔ اور صفحات تاریخ میں نمایاں ہے۔ اور دوست دشمن اس کا اقرار کرتے ہیں۔ خدائی حقوق کی اقامت کا یہ حال رہا کہ بت پرستی یک قلم نابید ہو گئی۔ اور گھر گھر خدا پرستی اور توحید کا ایسا چرچا پھیلا کہ وہی بت پرست خود بت شکن بن گئے۔ ان کی زبانوں پر ہر وقت اللہ کی توحید جاری ہو گئی۔ سر وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں جھک گئے۔ دلوں میں اللہ کی عظمت بھر گئی۔ غیر اللہ کا خوف قلوب سے نکل گیا۔ انسانی حقوق کا یہ حال تھا کہ جو قوم اپنے حقیقی بھائیوں کی دشمن تھی وہ اسلامی اور قرآنی رشتے کی وجہ سے بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلیمان فارسیؓ کو اپنے حقیقی بھائیوں سے زیادہ محبوب سمجھنے لگی۔ خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا اور پوری عرب قوم محبت و اخوت کے رشتہ میں منسلک ہو کر ایک فولادی دیوار بن گئی۔ جوا بازی۔ سود خوری۔ شراب نوشی۔ چوری۔ ڈاکہ۔ قتل۔ ظلم نہ صرف عرب سے مٹ گئے۔ بلکہ قرآن سے متاثرین عرب کا قدم جہاں پہنچا۔ وہاں بھی ان برائیوں کا نام و نشان نہیں رہا۔"

علوم القرآن ص ۴۵

قرآن عالمی امن و آشتی کا پیغامبر ایسے تاریک و تیرہ دور میں جس سے نگاہ خرد خیرہ ہو جاتی تھیں وہ کون سے

قرآنی اصول تھے۔ وہ کونسے نورانی فرامین تھے جن سے ظلمکدہ عالم وحشت زار کرۂ ارض بقعۂ نور بن گیا۔

ارشاد قرآن ہے:۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم پہچان لئے جاؤ۔ یقیناً تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے

قرآنی دعوت عام

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (البقرہ)

اے ایمان والو! مسلمانی میں داخل ہو جاؤ۔ پورے (جو کہ صلح و آشتی کا مظہر اتم ہے)

وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰھُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ٥ (الحجرات)

اور اگر مسلمانوں کے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پس اگر ان میں سے ایک زیادتی پر تلا رہے تو اس سے جنگ کرو۔ جو زیادتی کا مرتکب ہو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پس اگر وہ لوٹ آئے تو دونوں فریقوں کے درمیان عدل کے مطابق صلح کرا دو۔ اور انصاف پر استوار رہو یقیناً اللہ کو پسند آتے ہیں انصاف کرنے والے مومن باہم بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَالصُّلْحُ خَیْرٌ صلح بھلائی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ (نحل)

اللہ حکم دیتا ہے کہ ہر (معاملے میں) انصاف کرو (سب کے ساتھ) بھلائی سے پیش آؤ۔ قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرو۔ اور تمہیں روکتا ہے بےحیائی کی باتوں سے۔

اتحاد و اتفاق باہمی ربط و ضبط وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی

سے پکڑو۔ اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

رَابِطُوْا (آپس میں) ربط پیدا کرو۔

بھلائی بمقابلہ برائی

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (حم سجدہ)

اور نیکی اور بدی برابر نہیں (بدی کو) اس طریقے سے دور کرو جو اچھا ہے۔

دیگر موجبات اختلال امن اور ان کا انسداد

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۝

(الحجرات)

ہنسی نہ اڑائیں ایک قوم کے لوگ دوسری قوم کے لوگوں کی۔ شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔ عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو چڑانے کی غرض سے ایک دوسر کے نام نہ رکھو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ

اے ایمان والے لوگو! بہت بدگمانیوں سے پرہیز کرو کیونکہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝

(الحجرات)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس خبر لائے تو (اسے صحیح سمجھنے سے پیشتر تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ (خبر سنتے ہی) تم نادانی سے دوسری قوم پر جا پڑو۔ پھر کل اپنے کئے پر پچھتانے لگو۔

بلال سیدنا۔ انسانیت کی بہار | یہ ایسا وقت تھا کہ آقا اپنے غلام کو چوپایوں سے بھی بدتر سمجھتا تھا۔ غلام کو معاشرہ میں بحیثیت فرد مقام دینے کو تیار تھے اور بقول امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ "دنیا استبداد و استعباد کے عذاب الیم میں مبتلا تھے۔ غلامی کی زنجیروں نے اس کا بند بند جکڑ رکھا تھا۔ فرماں روایانِ ملک امرائے شہر روسائے قبائل اپنے اپنے حلقہ فرماں روائی میں اربابًا من دون اللہ تھے۔ اور ان کے اطاعت گذار اور پیرو ان کے ہاتھ بالکل مثل معدوم الارادہ آلات عمل کے تھے جن کی زندگی کا موضوع واحد صرف اپنے قادر قابض کی تکمیل ہوائے نفس و اتباع مرضات تھا۔" (رسول رحمت)

لیکن قرآنی انقلاب نے ان میں ایسی سپرٹ پیدا کی کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جیسا بھاری بھرکم شخصیت بلال سیدنا کہنے پر فخر کرنے لگا۔ بقول مولانا آزاد مرحوم

"چنانچہ بارگاہ اقدس میں زیدؓ، اسامہؓ، اور بلالؓ یا دوسرے مساکین کا درجہ حضرت عباسؓ سے کم نہ تھا جو آپؐ کے

بچاتے تھے۔" (رسولِ رحمت صـ ۶۸۷)

جناب شمس بریلوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

" اپنی تہذیب و شائستگی کا ڈھنڈورہ پیٹنے والے اور اپنی سماجی برتری کا دعویٰ کرنے والی قومیں اپنے متمدن معاشرہ سے انگلیوں ہی پر شمار ہونے والے چند ایسے نفوس کا پتہ دے دیں جن کو حضرت بلال رضؓ، حضرت صہیب رضؓ بن سنان، حضرت سلیمان فارسی رضؓ۔ حضرت زید بن حارثہ رضؓ۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسا شرف و اعزاز ان کی قوم نے دیا ہو۔ کہ ان کے آگے ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمر رضؓ اور دوسرے صحابہ کرام رضؓ اپنی آنکھیں بچھاتے تھے۔"

(تعارف بر غلامانِ اسلام صـ ۶)

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد | قرآنِ پاک اور دیگر صحفِ سماوی میں جو ہمہ گیر اور عالم گیر پیامِ الفت و مودت اور ترغیب صلح و محبت موجود ہے۔ اس کا اقرار دشمن بھی کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی یہ کہا جاتا ہے[۹]

ان رسولوں کی کتابیں طاق میں رکھ دو فراز نفرتوں کے یہ صحیفے عمر بھر دیکھے گا کون

فوا اسفا!

دِلکش
دِلنشیں
دِلفریب
کنول لنن، صنم پاپلین
بے نظیر پاپلین
کہکشاں پرنٹس
سنگم بوسکی
مایہ ناز پاپلین
کمانڈر پاپلین
پریذیڈنٹ لان
جمال ۳۰۰۰ پاپلین
جمال ۵۰۰ لان
پارل کارڈ
سوٹنگ
حُسین کے پارچہ جات
حُسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں،
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی،
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حُسین کے پارچہ جات،
شہر کی ہر بڑی دکان پر،
دستیاب ہیں۔
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حُسین ٹیکسٹائل ملز
حُسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ،
EAGLE
EAGLE IRIDIUM
ہر
جگہ
دستیاب
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

SOHRAB
پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سُہراب

تعارف و تبصرہ کتب

★ مولانا عبدالقیوم حقانی

۱۔ معالم العرفان فی دروس القرآن ۔ افادات مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی
صفحات ۱۱۲۔ قیمت ۱۲ روپے ۔ ادارہ نصرت العلوم ۔ گوجرانوالہ

قرآن مقدس، جو سعادت و فلاح اور علم و حکمت کا بے پایاں خزانہ ہے۔ انسان جس قدر بھی اس کے قریب ہوگا اسی قدر دنیا و آخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں سے بہرہ ور ہوگا۔ چنانچہ ہر دور میں درس قرآن پاک، اکابر علماء کرام اور سلف صالحین کا معمول رہا ہے۔ زیر نظر کتاب بھی اسی معمول کو قائم رکھنے کی ایک تحریری شکل ہے۔ مولانا صوفی عبدالحمید سواتی جو عرصہ تیس سال سے قرآن پاک کے درس قرآن پاک کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ان کے سورۃ فاتحہ سے متعلق دس دروس کو الحاج لعل دین صاحب نے حد درجہ سلیقہ سے مرتب فرمایا ہے۔ موزوں عنوانات اور سرخیاں قائم کرنے سے کتاب کی افادیت میں اضافہ کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ تحفہ امامیہ ۔ از حافظ مہر محمد میانوالوی ۔ صفحات ۴۸۰۔ قیمت ۳۶ روپے۔ ناشر مکتبہ نور باوا ۱۔ گوجرانوالہ

اعدائے صحابہ روافض جن کے نزدیک قرآن صحیح اور واجب العمل نہیں۔ سنت رسولؐ حجت نہیں جو صحابہ کرام کے ارتداد اور رسالت کے بجائے امامت کے قائل ہیں۔
زیر نظر کتاب میں ان کے جملہ باطل نظریات اور جھوٹے عقائد کا تحقیقی نوٹس لیا گیا ہے۔ اس کتاب کے نہایت اہم مباحث اور خاص مسائل یہ ہیں۔
فضائل خلفاء راشدین۔ مسئلہ بنات۔ قاتلان حسین کا تعارف۔ باغ فدک۔ تحریف قرآن۔ اصلی کلمہ کا کتب شیعہ سے متواتر ثبوت وغیرہ۔ شیعہ سنی اختلافی مسائل پر تحقیقی اسلوب میں عصر حاضر کی ناگزیر اور تشنگی بجھانے والی کتاب ہے جس کا مطالعہ دین و ایمان کے تحفظ اور پختگی کا باعث ہے۔

۳۔ ماہتاب عرب ۔ از مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی۔ صفحات ۱۷۵۔ قیمت ۵۰/ ۲۲
ادارہ "تالیفات اشرفیہ ریلوے روڈ ملتان

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر عجیب کتاب ہے۔ واقعات سیرت سے جس نفیس اور لطیف انداز میں نتائج اخذ کئے گئے ہیں اس کی بنا پر کتب سیرت میں اسے ایک منفرد اور امتیازی مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ سیرت طیبہ کو حقیقت

اور واقعیت کے لحاظ سے پر مغز تجزیہ و تبصرہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جگہ جگہ موزوں عنوانات کے ذریعہ سیرت کے مخفی گوشے بھی ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ یہ کتاب ہر مسلمان اور بالخصوص ارباب ذوق اور اہل علم حضرات کے لئے ایک بہترین تحفہ ہے۔

۴۔ عقیدہ ظہور مہدی احادیث کی روشنی میں ۔ از مولانا نظام الدین شامزئی۔ صفحات ۱۹۲ پتہ: محمد یسین۔ اے ۹ ۸۵ بلاک ایچ۔ شمالی ناظم آباد کراچی

کتاب کا عنوان ہی اپنے مضمون کی نشاندہی کرتا ہے۔ مولف نے امت کے چودہ سو سالہ پرانا عقیدہ جس کا تعلق امام مہدی کے ظہور سے ہے صحیح احادیث، محدثین اور متکلمین کے اقوال کی روشنی میں جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے مسئلہ کا کوئی پہلو ایسا نہ رہا جو تشنہ رہ گیا ہو۔ اپنے موضوع پر جامع اور منفرد کتاب ہے۔

۵۔ وصایا ۔ مرتب جناب افتخار فریدی صاحب ۔ صفحات ۱۲۶ پتہ۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ ریلوے روڈ ملتان

اسلام کی دینی تعلیمات اور ہدایات میں ایک عجیب اور اہم ترچیز "وصیت" ہے۔ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی اور امت کو بھی وصیت کرنے کی تاکید کی۔ خلفائے راشدین، اکابر صحابہ سلف صالحین نے اس پر عمل فرمایا۔ زیر نظر کتاب میں حضرات انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کے وصیت نامے جمع کر دئے گئے ہیں۔ جن کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ بندہ کو حق تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو کر جانا نصیب ہو۔ یہ وصایا اکابر کی علمی و عملی اور مطالعاتی زندگی کے تجربات اور نچوڑ ہیں۔ امید ہے کہ قارئین اسے بنظر تحسین دیکھیں گے اور پسند فرمائیں گے

۶۔ تعلیمات رحیمی ۔ تالیف۔ عارف باللہ حضرت مولانا عبداللہ شاہ جلال آبادی ثم الکرنالی۔ صفحات ۱۰۴۔ قیمت درج نہیں ہے۔ **دارالتصنیف لمیٹڈ کراچی**

مولانا عبداللہ شاہ (جو حضرت تھانویؒ کے اساتذہ میں سے تھے) حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوری کے خلیفہ اول تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی آپ پر خاص توجہ تھی۔ رحمت الٰہی نے استعداد عالی سے بھی نوازا تھا۔ اس لئے برسوں کی ترقی مہینوں اور مہینوں کی دنوں میں میسر ہوئی۔ زیر نظر کتاب آپ ہی کی تصنیف ہے جس کو طریقت و تصوف میں اہم مقام حاصل ہے جس میں اوراد و وظائف اذکار و مراقبات اور دیگر ضروریات کو حد درجہ دلنشیں انداز میں تحریر فرمایا گیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے پست ہمت طالب کے دل میں بھی سلوک طریقت کا ولولہ اور جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ شروع میں جناب سید نفیس الحسینی مدظلہ کے قلم سے خواجہ عبدالغفور سواتؒ سے متعلق معلومات آفریں اور اثر انگیز مقدمہ بھی شامل ہے۔

MFTM-5-77

Asiatic

ٹینڈر نوٹس

۱۔ مندرجہ ذیل کام کے لئے حکومت کے منظور شدہ محکمہ سی اینڈ ڈبلیو کے ان ٹھیکیداروں سے سر بمہر ٹینڈرز مطلوب ہیں جنہوں نے سالِ رواں کے لئے اپنے رجسٹریشنوں کی تجدید کی ہو

۲۔ ٹینڈرز بمقام تیمرگرہ ضلع دیر درج شدہ تاریخ کے دن دوپہر ½ ۱۲ بجے کھولے جائیں گے۔

۳۔ زیرِ دستخطی کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی ٹینڈر کو کوئی وجہ بتائے بغیر منظور یا مسترد کرے۔

۴۔ مشروط ٹینڈر قابلِ قبول نہ ہوں گے۔

۵۔ زرِ ضمانت کال ڈیپازٹ کی صورت میں جو نیشنل بنک ضلع دیر کا ہو ٹینڈر کے ساتھ منسلک ہونا ضروری ہے۔

نمبر شمار	کام کی نوعیت	تخمینہ لاگت	زرضمانت	تکمیل مدت	تاریخ
۱	ضلع دیر بمقام تیمرگرہ میں ڈسٹرکٹ جیل کی تعمیر۔ سب ہیڈ:۔ تعمیر بیرک	۱۷,۰۰,۰۰۰/-	۳۴۰۰۰/-	آٹھ ماہ	۱۰ ۶/۸۲

ایگزیکٹو انجینئر
دیر بلڈنگ ڈویژن تیمرگرہ

INF (P) 1872 = B